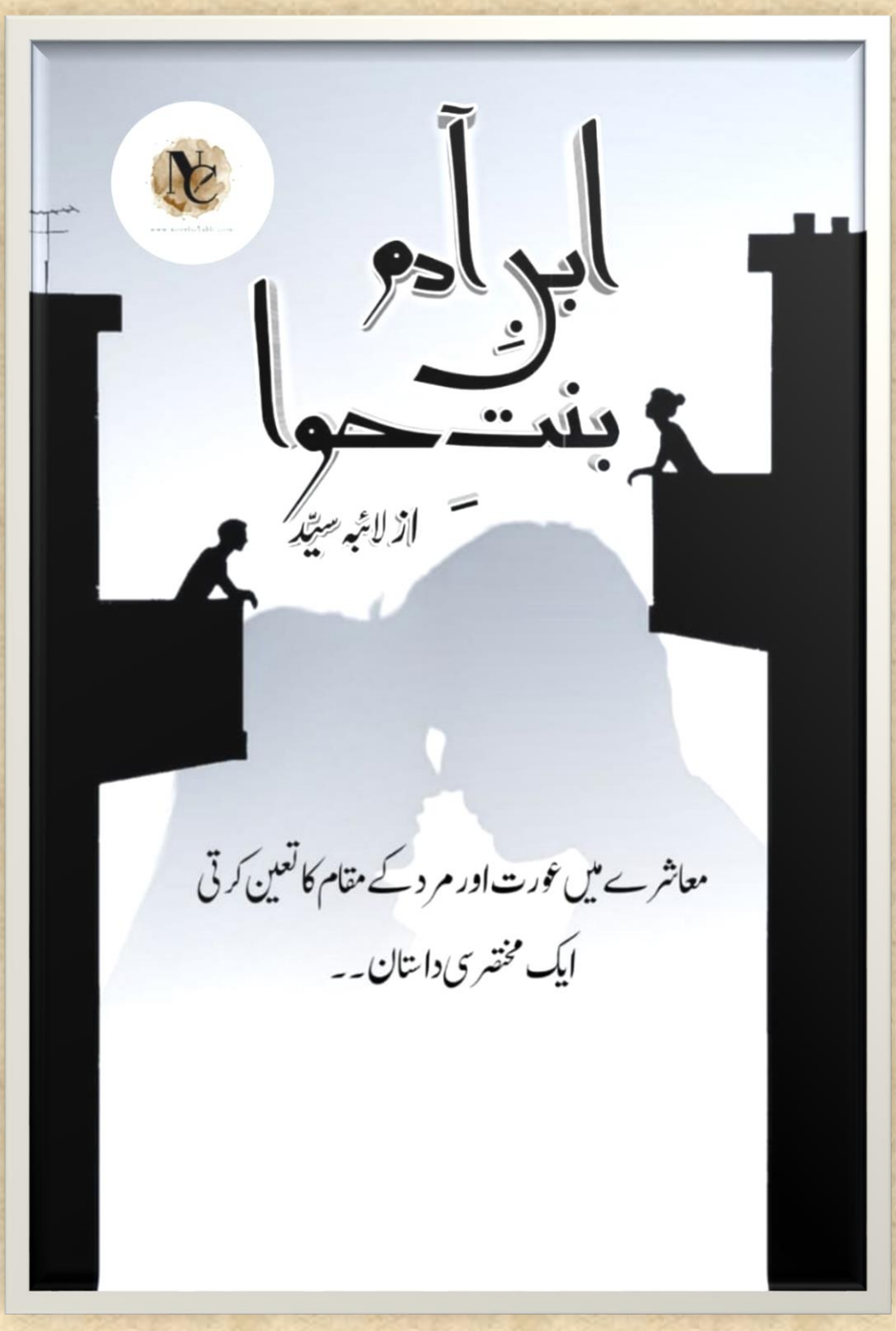
ابنِ آدم
بنتِ حوا
از لائبہ سید
معاشرے میں عورت اور مرد کے مقام کا تعین کرتی
ایک مختصر سی داستان۔۔

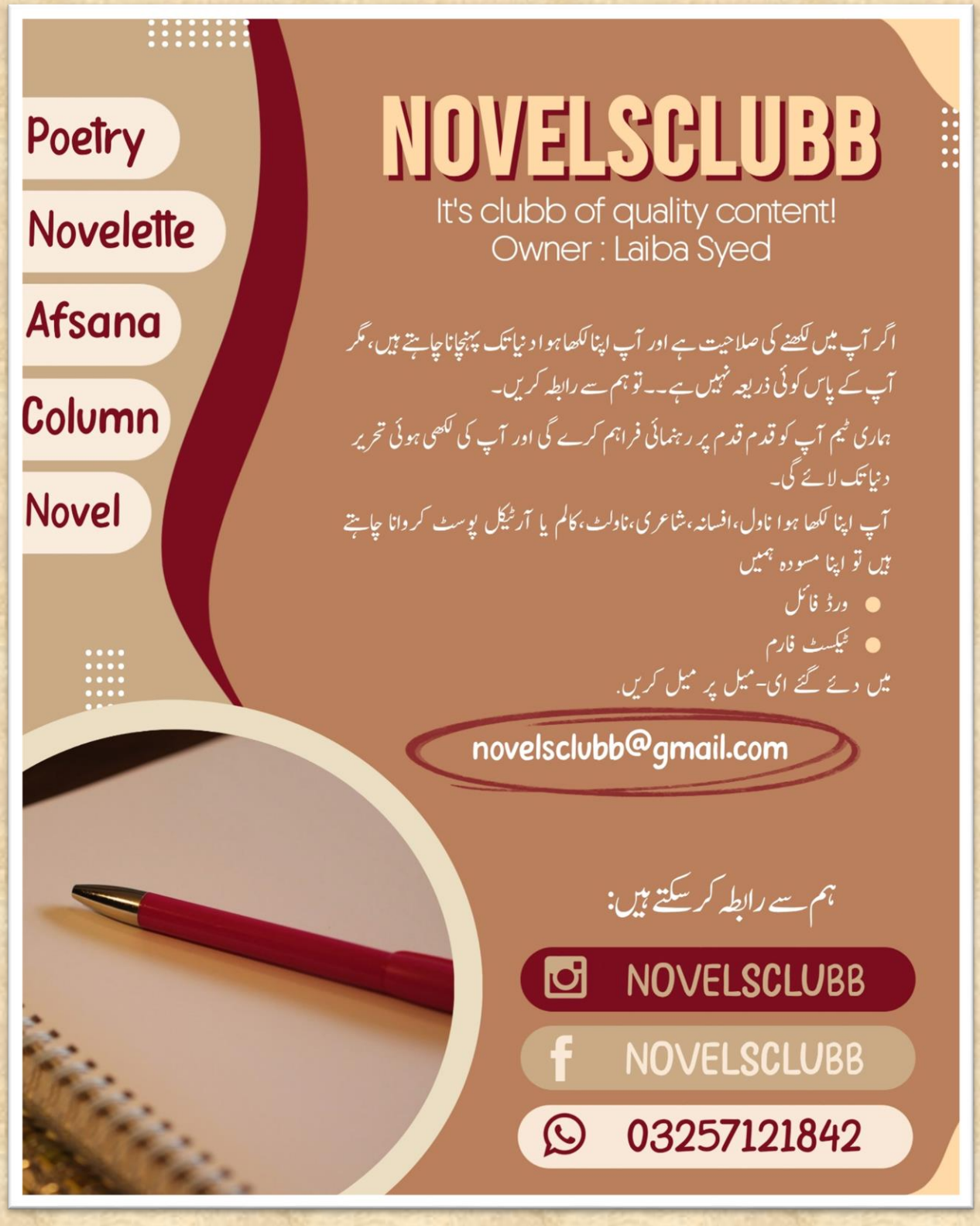
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ابنِ آدم بنتِ حوا

بقلم

لائبہ سید

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

افسانہ "ابنِ آدم بنتِ حوا" کے تمام جملہ حق لکھاری "لائبہ سید" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

سلام پھیرتے ہی انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جھری زدہ نم آنکھوں کے پردوں پر اس مسکراتے عکس کی تشبیہ لہرائی۔آنکھیں درد سے بند کرتے ہی وہ سجدے میں گر پڑیں اور زوروں سے رونے لگیں۔یہی تو معمول تھا پچھلے چودہ سال سے۔وہ ہر نماز میں دعا مانگنے لگتیں تو گویا دل پھٹنے کے قریب آ جاتا۔اور بے بس ہو کر وہ سجدے میں ہی گر پڑتیں۔ تبھی کوئی بھاگ کر ان کی طرف آیا۔

"امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔سنبھالیں خود کو پلیز!"دعانور نے روتے ہوئے اسما بیگم سے کہا

"کیسے سنبھالوں میں خود کو؟چودہ سال ہو گئے میں نے اسے نہیں دیکھا۔اسے محسوس نہیں کیا۔نجانے کس حال میں ہو گا میرا بچہ،میرا کلیجہ پھٹ جاتا ہے اسے سوچ کر ہی۔"سر ہاتھوں میں تھام کر وہ پھر رونے لگیں۔آج سے چودہ سال پہلے ان کا لختِ جگر تیمور شہزاد ان سے ناراض ہو کر سکول گیا تھا۔وہ اس وقت دسویں کا طالب علم تھا۔اور اس دن نجانے ایسا کیا ہوا کہ وہ واپس ہی نہیں آیا۔پولیس کیس ابھی تک چل رہا تھا مگر وہ ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا نام و نشان نہ مل سکا۔اس کے دوست،ٹیچر سے لے کر گھر سے سکول تک کے رستے میں آنے والے ایک ایک انسان سے اس کے بارے میں پوچھا تھا مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم اس سے چار سال چھوٹی ہو دعا، اپنے گھر بار والی ہو۔ میرا بچہ نجانے کہاں ہے۔ اٹھائیس سال کا ہو گیا ہو گا وہ اب دعا! اٹھائیس سال۔ کتنا خوبرو اور جوان ہو گیا ہو گا وہ۔" اس سے باتیں کرتے ہی وہ اب اپنے تخیل میں ہی تیمور سے مخاطب ہو رہی تھیں۔ ان کے لہجے میں حسرت تھی، یہی معمول تھا پچھلے چودہ سال سے وہ اکثر خود کلامی کرتی پائی جاتیں۔ دعا انہیں بستر پر بٹھا کر آنکھیں پونچھتی باہر نکل آئی جہاں اس کا تین سالہ بیٹا اپنی معصوم آنکھوں سے اپنی نانو کو روتے دیکھ رہا تھا۔

"ہادی بیٹا یہاں کیا کر رہے ہو؟ سکول نہیں جانا کیا؟؟" وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف پلٹی۔

"مما جانی نانو کو کیا ہوا ہے؟ وہ اتنا سارا کیوں روتی ہیں؟ کیا ان کے پین ہو رہا ہے؟" وہ معصومیت سے بولا تو دعا نور کے آنسو پھر چھلکنے لگے۔

"نہیں میرا بیٹا آپ کی نانو کو پین نہیں ہے۔ ان کی ایک چیز گم ہو گئی ہے اسی لئے وہ روتی ہیں۔" حیدر علوی نے بیٹے کو گود میں اٹھاتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی دعا کو اپنے حصار میں لیا۔ وہ اس کے سینے میں منہ چھپاتی پھر رو پڑی۔ کہنے کو چودہ سال بیت گئے تھے مگر زخم ابھی بھی تازہ تھا۔

"اوہ۔۔ پھر میں اللہ جی سے دعا کروں گا کہ وہ نانو کی چیجی واپس کر دیں۔ لیکن بابا نانو نئی چیجی لے لیں۔ میرے پاس پیسے ہیں میں ان کو دے دوں؟" بیٹے کی معصومیت پر حیدر مسکرا دیا۔

"ہاں جاؤ آپ نانو کے پاس اور ان سے باتیں کرو۔" حیدر نے اسے گود سے اتارتے ہوئے کہا تو وہ بھاگتا ہوا اسما شہزاد کے کمرے میں چلا گیا۔

"دعا کیا ہو گیا ہے یار! ہادی بچہ ہے وہ آپ دونوں کے رونے سے پریشان ہو جاتا ہے۔" اس کا چہرہ اپنے سینے سے نکالتے وہ ہاتھوں میں لیتے نرمی سے بولا۔

"حیدر میں کیا کروں مجھے صبر نہیں آتا۔ مجھے رہ رہ کر بھائی یاد آتے ہیں۔ میں کیا کروں؟" شدت سے روتی وہ اسے بے چین کر گئی۔

"نور صبر کرو، اللہ اس کی حفاظت کر رہا ہو گا وہ جہاں بھی ہو گا۔ ہم اس کے لیے دعا سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ آنی کی حالت دیکھی ہے تم نے؟ انہیں کون سنبھالے گا اگر تم ایسے کرو گی تو؟ ہادی بچہ ہے اور آپ دونوں کے ایسے رویے سے وہ سہم جاتا ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ ہمارا بچہ سہما ہوا رہے؟ وہ کبھی اعتماد سے بات نہ کر سکے؟" اس کے نرم لہجے میں پوچھنے پر وہ سر نفی میں ہلا گئی۔ یہ بات سچ تھی وہ بہت دفعہ ہادی کو نظر انداز کر جاتی تھی۔ ایسے میں حیدر ہی تھا جو ان دونوں کو سنبھالتا تھا۔

"تو بس پھر ہادی کے لئے خود کو سنبھالو پلیز!" اس کا ماتھا چومتا وہ اس سے ریکوسٹ کر رہا تھا۔ دعا نے محبت سے اس کے من موہنے چہرے کو دیکھا۔ حیدر علوی اس کا خالہ زاد تھا جس سے اس کی شادی چار سال پہلے ہوئی تھی۔ دعا اور تیمور دو ہی بہن بھائی تھے اور تیمور کی گمشدگی کے بعد اسما

شہزاد اور شہزاد صاحب دونوں ہی پریشان رہتے تھے۔چار سال پہلے جب اسما کی بہن نے دعا کے رشتے کی بات کی تو انہوں نے فوراً ہامی بھر لی۔ مگر دعا کہ شرط تھی کہ حیدر کو یا یہاں رہنا پڑے گا یا اس کے ماں باپ کو حیدر کے گھر جانا پڑے گا۔وہ کسی صورت ماں باپ کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔اور حالات کے پیش نظر حیدر نے بیٹے کا کردار ادا کرتے ہوئے دعا کی شرط مان لی تھی۔وہ اگر یہ شرط نہ بھی رکھتی تب بھی اس کا ارادہ ایک الگ گھر لے کر وہاں دعا اور خالہ خالو کر رکھنے کا تھا۔شادی کے ایک سال بعد ہادی کی پیدائش ہوئی تو حالات کچھ بہتر ہوئے۔وہ نفوس جو مسکرانا بھول گئے تھے اب ہادی کہ معصوم شرارتوں پر مسکرا اٹھتے تھے۔ مگر تیمور شہزاد ان کے دلوں اور خیالوں میں آج بھی تھا۔

******

تیز تیز ہاتھ چلاتی وہ بالوں کی چٹیا بنا رہی تھی۔روشن براؤن آنکھیں بے چین سی تھیں۔وہ آج لیٹ ہو گئی تھی۔سیاہ سوٹ جس پر کچے پیلے رنگ کی کڑھائی ہوئی تھی زیب تن کئے،اپنا سفید کوٹ پہنے وہ مکمل تیار تھی۔ تبھی اس کی ماں کمرے میں چلی آئی۔

"گل افروز جنید کو کال کر کے معافی مانگ لینا،کیوں بڑھاپے میں میرے سر میں خاک ڈلوا رہی ہو۔وہ ناراض ہے تم سے،اگر اس نے شادی سے انکار کر دیا تو کیا کرو گی؟کیوں بدنام ہونا چاہتی ہو۔"گل افروز نے کسی معمول کی طرح ماں کی باتیں سنیں۔جبکہ خود وہ اپنی چیزیں بیگ میں ڈال رہی تھی۔

"امی وہ میرا منگیتر ہے شوہر نہیں جو اس کے نخرے اٹھاتی پھروں۔ جس وقت اس نے کال کی تھی میں آن ڈیوٹی تھی۔ کیسے سن لیتی اس کی کال؟ جیسے ہی مجھے پتہ چلا میں نے معذرت کی تھی لیکن اس کی انا کا مینار بہت بلند ہے امی! میں اس مینار کو نہیں پھلانگ سکتی۔" سیاہ سینڈل کی سٹریپ بند کرتی وہ ناگواری سے بولی تو نازیہ وسیم نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"بیوقوف وہ مرد ہے اور انا تو مرد کی شان ہوتی ہے۔ ابھی سے اس کی بات مانو گی تو اس کے دل پر راج کرو گی۔ فرمانبردار عورت مرد کے دل کے قریب ہوتی ہے۔ اب جھک جاؤ گی تو شادی کے بعد وہ تمہیں سر پر بٹھائے گا۔" نازیہ وسیم نے اسے سمجھایا تو وہ حیرت سے ماں کی طرف مڑی۔۔

"امی میں جھک جاتی اگر اس جھکنے میں میرا فائدہ ہوتا لیکن اس کے سامنے جھکنے پر میں ٹوٹ جاؤں گی اور میں نے خود کو اس لئے اتنا مضبوط نہیں بنایا کہ کوئی بھی ایرا غیر آئے اور مجھے توڑ دے۔" سخت اور ہٹیلے لہجے میں وہ ماں کو بہت کچھ باور کروا گئی تھی۔ "اور ایک بات، میں جنید خان سے کسی صورت شادی نہیں کروں گی۔ یہ رشتہ سراسر آپ کی پسند تھا میری رضامندی شامل نہیں تھی اس میں۔" اس کی بات پر نازیہ وسیم کا منہ کھل گیا۔

"ہوش میں ہو؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟ کس کی وجہ سے اتنا ہواؤں میں اڑ رہی ہو بتاؤ مجھے۔" اس کے منہ پر تھپڑ مارتے وہ دبے دبے لہجے میں چیخیں تو گل افروز نے آنکھیں بند کر کے درد برداشت کیا۔ گال کی تکلیف سے زیادہ دل میں تکلیف اٹھی تھی۔

Clubb of Quality Content

"امی کسی سے بھی کرلوں گی لیکن جنید خان سے نہیں۔اللہ حافظ۔"آنسو پونچھتی وہ چادر سر پر درست کرتی گھر سے نکل گئی۔

رکشے میں بیٹھی وہ آج ہوئے واقعے کو سوچ رہی تھی۔یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب اس کی ماں نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔اس کی ماں یہ کام بچپن سے ہی کرتی آئی تھی۔

گل افروز لاہور کی رہائشی تھی اور ایک سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر کی ڈیوٹی انجام دے رہی تھی۔ماں باپ کی اکلوتی اولاد جس کا رشتہ اس کی ماں نے اس کے تایا کے بیٹے جنید خان سے زبردستی کیا تھا اور یہ زبردستی پہلی دفعہ نہیں ہوئی تھی۔بچپن سے آج تک اس کی ماں اس کی تائی صائمہ بیگم سے دبتی آئی تھی اور یہی عادت وہ افروز میں ڈالنا چاہتی تھی۔اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی اور وہ وجہ یہ تھی کہ نازیہ وسیم کی ماں نے اس کے باپ سے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی۔صائمہ بیگم نازیہ کی پھپھی زاد تھیں اور اس بات سے بخوبی واقف تھیں۔سلمیٰ بیگم نے گھر والوں سے چھپ کر شادی کر تو لی مگر نہ زمانے میں وہ مقام ملا،نہ سسرال میں اور نہ شوہر کی نظروں میں۔چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کی مانند زندگی ایسی اندھیر ہوئی کہ اس کا سایہ ان کی آنے والی نسلوں پر بھی پڑ رہا تھا۔نازیہ کو انہوں نے ہمیشہ ڈرا دھمکا کر رکھا تھا اور یہ سکھایا تھا کہ اگر وہ اپنے دو دھیال میں سب کا کہا مانے گی تو کوئی اس کی ماں کو طعنہ نہیں دے گا۔یہ بات ان کی گھٹی میں ایسی ڈالی گئی کہ شادی کے بعد بھی وہ صائمہ سلیم سے خوفزدہ ہی رہتی تھیں۔ان دونوں کی شادی ایک ہی گھر میں دو

بھائیوں سلیم خان اور وسیم خان سے ہوئی تھی۔اور اب نازیہ وسیم چاہتی تھیں کہ گل افروز بھی اپنی تائی کی فرمانبردار رہے تاکہ اسے عزت مل سکے اسے کوئی طعنہ نہ مل سکے۔

عورت کی عزت بہت نازک ہوتی ہے اور عورت نسلوں کی پاسدار ہوتی ہے۔گل افروز نے یہ باتیں اپنے بچپن میں بہت دفعہ سنی تھیں۔مگر کبھی سمجھ نہ سکی۔مگر جب اسے اور اس کی ماں کو نانی کا طعنہ ملتا تو اسے سمجھ آجاتا کہ عورت کا ایک غلط قدم کسی آسیب کی طرح صدیوں تک اور نسلوں تک اس کا پیچھا کرتا ہے۔

******

رات کھانے کی میز پر بھی نازیہ وسیم کا موڈ ہنوز خراب تھا۔ان کا گھر پہلے ایک ساتھ ہوتا تھا۔لیکن کچھ سال پہلے صائمہ سلیم کی خواہش پر گھروں کو ایک دیوار سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔نازیہ وسیم کا اپنے شوہر وسیم خان کے ساتھ بھی رویہ ڈرا سہما سا تھا۔ان کی حد سے زیادہ فرمانبردار طبیعت کے باعث وسیم خان بھی نالاں رہتے تھے، مگر وہ خود ایک سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے۔گل افروز کی باپ کے ساتھ اتنی اٹیچمنٹ نہیں تھی۔بظاہر وسیم خان نہایت سنجیدہ تھے مگر ایک زمہ دار باپ تھے۔لیکن ایک باپ اور بیٹی کے رشتے کی چاشنی ان دونوں کے رشتے میں مفقود تھی اور اس میں بھی نازیہ وسیم کا ہاتھ تھا۔ان کا ماننا تھا کہ گل افروز باپ کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر تنگ نہ کرے۔ان کی

ممکنہ کوشش ہوتی کہ وہ ہر اس چیز سے پرہیز کریں جس سے ان کے شوہر یا سسرال کے کسی بھی فرد کو شکایت ہو اور بدلے میں وہ انہیں کوئی طعنہ نہ دیں۔

"ہاسپٹل کیسا جا رہا ہے گل؟ کوئی مسلہ تو نہیں؟" انہوں نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے گل افروز سے پوچھا۔

"نہیں بابا! کوئی مسلہ نہیں ہے سب ٹھیک ہے۔" گل افروز کے جواب پر انہوں نے محض سر ہلایا۔

"وہ میں چاہتی تھی کہ ہم افروز کی باقاعدہ رسم کر دیں تاکہ سب کو پتہ چل جائے۔" نازیہ وسیم ہچکچاتے ہوئے بولیں۔ان کا یہ عاجزانہ لہجہ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ ہوتا تھا۔

"مگر امی۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ اور بولتی نازیہ وسیم نے اسے جلدی سے منع کر دیا۔

"گل! تم چپ رہو، میں اور تمہارے بابا جان بات کر رہے ہیں۔" انہوں نے نہایت تلخ اور تیز لہجے میں کہا۔ سیم خان نے بغور ان کا لہجہ دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔بھائی صاحب اگر بات کریں گے تو میں موقع دیکھ کر انہیں جواب دے دوں گا۔اب کیا اپنے منہ سے انہیں کہوں کہ میری بیٹی لے جائیں۔اتنی گری پڑی نہیں ہے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میری بیٹی۔" وہ اپنے ازلی سنجیدہ لہجے میں بولا تو گل افروز کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ جبکہ نازیہ وسیم حسبِ معمول سہم گئیں۔

کھانا کھا کر وسیم خان اپنے کمرے میں چل دیئے۔ گل افروز نے انہیں چائے دی اور برتن دھو کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ اپنے باپ کی بات پر اس کا دل ایک دم ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ پر سکون ہو کر وضو کرنے چل دی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ دیر تک سجدے میں گری شکر ادا کرتی رہی تھی۔

******

آج اس کی ایک کولیگ کا نکاح تھا، اور اس نے گل افروز سے اپنی ڈیوٹی ایکسچینج کی تھی۔ اس لئے آج اس نے نائٹ شفٹ میں ہاسپٹل جانا تھا۔ اس نے کال کر کے وسیم خان کو مطلع کیا۔ اس کی ہاؤس جاب سے لے کر اب تک جب بھی اس کی نائٹ شفٹ ہوتی تھی وسیم خان ہاسپٹل میں ساری رات اس کے ساتھ رہتے تھے۔

"بابا جان! آج میری ایک کولیگ کا نکاح ہے تو اس سے میں نے شفٹ ایکسچینج کی ہے۔ آج میں نائٹ شفٹ میں جاؤں گی۔ آپ وقت پر گھر آ کر آرام کر لیجئے گا۔۔" اس نے سلام لینے کے بعد کہا۔ اس کی نائٹ شفٹ والے روز وسیم خان دفتر سے جلدی آ جاتے تھے اور آرام کر لیتے تھے۔

"ٹھیک ہے لیکن میں آج وقت پر نہیں آ سکوں گا۔ بہت ضروری میٹنگ ہے۔ آپ ایسا کرنا چلی جانا ہاسپٹل میں وہیں آ جاؤں گا۔" وہ سنجیدہ اور مصروف انداز میں بولے۔

"لیکن بابا آپ آرام کیسے کریں گے ؟" اسے ان کے آرام کی فکر لاحق ہوئی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔" اب کی بار وہ نرمی سے بولے۔

"چلیں آپ میرے کیبن میں آرام کر لیجئے گا۔" گل افروز نے انہیں مشورہ دیا۔

"اوکے بیٹا۔۔اللہ حافظ !" کال بند ہوتے ہی وہ دوپہر کا کھانا بنانے چل دی۔وہ دونوں ماں بیٹی ابھی کھانا شروع کرنے کی لگی تھیں جب صائمہ بیگم وہاں آن حاظر ہوئیں۔

"باجی آیئے آیئے، بیٹھیئے۔" نازیہ وسیم فوراً کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مجبوراً گل افروز کو بھی اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کر کھڑا ہونا پڑا۔ گویا صائمہ تائی نہیں کوئی وزیر مشیر آیا ہو۔

"کیسی ہیں آپ باجی؟ خیریت سے آئی ہیں؟" نازیہ وسیم نے پانی کا گلاس ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا، وہ دونوں ماں بیٹی ہنوز کھڑی تھیں جبکہ صائمہ سلیم رعونت سے بیٹھی پانی پی رہی تھیں۔

"کیا مطلب؟ اب یہاں آنے جانے کے لئے مجھے اب تمہاری اجازت درکار ہو گا؟" وہ آنکھیں دکھا کر بولیں تو نازیہ وسیم سہم گئیں۔

"نہیں باجی ! ناراض کیوں ہوتی ہیں، یہ آپ کا ہی گھر ہے۔جب مرضی آئیں۔ گل تائی امی کو کھانا نکال کر دو، باجی آج اس نے قیمہ بنایا ہے۔ماشاءاللہ سے ساری کوکنگ سیکھ گئی ہے۔" گل افروز نے سر نفی میں ہلاتے ماں کا لہجہ ملاحظہ کیا اور کھانا نکال کر تائی کے سامنے رکھا۔

"ویسے یہ آج ہاسپٹل کیوں نہیں گئی؟" انہوں نے ایک طنزیہ سی نگاہ اس پر ڈال کر رعب سے نازیہ وسیم سے پوچھا۔

"میری آج نائٹ شفٹ ہے ہاسپٹل میں۔" گل افروز جانتی تھی کہ اس کی ماں اس کی نائٹ شفٹ کا بھی پردہ رکھے گی اور کیوں رکھے گی وہ یہ بھی جانتی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ مت بھولو کہ میرے بیٹے کی منگ ہو تم۔ایسے راتیں گھر سے باہر گزارنے والی لڑکیوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی اور جنید تو ویسے بھی نالاں ہے تم سے۔ شکر کرو نازیہ اس نے ابھی تک رشتے سے انکار نہیں کیا۔" انہوں نے اپنی ازلی جلالی انداز میں کہا۔

"تائی جان میں کسی ہوٹل یا کلب میں رات گزارنے نہیں جاتی،اپنے باپ کی موجودگی میں ہاسپٹل میں ڈیوٹی دینے جاتی ہوں۔اور رہی بات آپ کے بیٹے کی تو وہ اگر رشتے سے جواب دے دے گا تو اللہ مجھے کسی اور عزت والے انسان کا مقدر بنادے گا۔" ٹھنڈے لہجے میں بولتی وہ ان کا پارہ ہائی کر گئی۔

"بد تمیز لڑکی! تمہیں تمیز نہیں ہے بڑوں سے بات کرنے کی۔یہ تمیز سکھائی ہے تم نے اسے بی بی؟ کر دیا نا ثابت کہ وہی گندہ خون دوڑ رہا ہے تم دونوں کی رگوں میں۔" وہ حسبِ معمول پھنکار کر بولیں تو نازیہ وسیم کے اوسان خطا ہوئے۔

"تائی امی آپ کو شرم آنی چاہیے ایک مرے ہوئے انسان کے بارے میں کس طرح بات کر رہی ہیں آپ۔میں نے بھی تمیز آپ سے ہی سیکھی ہے تائی امی۔آپ بھی اپنی ممانی سے ایسے ہی مخاطب ہوتی تھیں۔" وہ نانی کا حوالے دیتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگی اس کا ارادہ کمرے میں جا کر کھانے کا تھا۔

"گل افروز! معافی مانگو اپنی تائی سے۔" نازیہ وسیم نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"مجھے ضرورت نہیں اس کی معافی کی۔۔اور تم۔۔" وہ نازیہ وسیم کی طرف انگلی کر کے بولیں "تم اب اپنی اس منہ پھٹ اور بد کردار بیٹی کا بندوست کرو۔میں اور میرا بیٹا تھوکتے ہیں اس پر۔دیکھتی ہوں میں کیسے کر لیتی ہو تم اس کی شادی بلکہ شادی کی نوبت یہ آنے ہی نہیں دے گی۔اپنی نانی کے نقشِ قدم پہ چلے گی یہ۔لکھوالو مجھ سے۔" وہ منہ سے جھاگ اڑاتی بولیں جبکہ گل افروز انہیں نظر انداز کرتی کھانے کی ٹرے اٹھاتی اپنے کمرے کی جانب چل دی۔سارا دن اس نے کمرے میں گزارا تھا۔مغرب کے قریب وہ تیار ہو کر اپنا بیگ سنبھالتی کمرے سے باہر نکلی۔تبھی نازیہ وسیم اس کے کمرے میں آئیں اور آتے ہی اس کے چہرے پر تھپڑ جڑ دیا۔گل افروز کو اسی چیز کی توقع تھی۔

"کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا گل؟ تمہاری ہر خواہش پوری کی ہے میں نے۔تم کیوں مجھے بے عزت کروانے پر تلی ہو؟ تمہاری وجہ سے مجھے میری ماں کا طعنہ ملتا ہے۔تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب

کچھ سہنا بہت آسان ہے۔" وہ روتے ہوئے اپنا سر تھام گئیں۔ گل نے ضبط سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنی زندگی خود اتنی اذیت ناک بنائی تھی۔ "اور اپنے باپ سے کیا بات کی ہے تم نے؟ گل خبردار! اگر تم نے اس رشتے کے حوالے سے کوئی بھی بات ان سے کی۔ شادی تو تمہاری جنید سے ہی ہو گی تم خود کو تیار کر لو اور چلو میرے ساتھ چل کر باجی سے معافی مانگو۔" وہ دوٹوک لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کیوں بات نہ کروں ان سے؟ میں انہیں بتاؤں گی اور ضرور بتاؤں گی۔ آپ نے مجھے ہمیشہ یہی کہا کہ باپ سے یہ مت کہو، وہ مت کہو۔ اپنے مسلے باپ کو مت بتاؤ میں حل کروں گی۔ بتائیں امی کون سا مسلہ حل کیا ہے آپ نے میرا؟ آپ نے مجھے ہمیشہ ابو سے دور رکھا ہے امی۔" وہ بولی تو لہجہ بکھرا ہوا تھا۔ "آپ نے ہمیشہ خود کو دوسروں کے سامنے دی گریڈ کیا، تاکہ وہ آپ کو آپ کی ماں کا طعنہ نہ دے سکیں اور اب آپ چاہتی ہیں کہ میں بھی اسی طرح اپنی سیلف رسپیکٹ کو لوگوں کے قدموں میں روند دوں۔ ایک بات یاد رکھیے گا امی! جو انسان خود کی عزت نہیں کر سکتا، دنیا اس کو عزت نہیں دیتی۔" آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"میرے سر میں کیوں خاک ڈلوا رہی ہے تو گل؟ خدا کرے تو غارت ہو جائے۔ تجھ جیسی بیٹیاں پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہیں جاتیں؟ اللہ کرے تو آج جائے اور واپس ہی نہ آئے۔ تو نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" لاؤنج کا دروازہ پار کرتے اس نے نازیہ وسیم کی بددعائیں سنی تھیں اور یہ بھی

معمول تھا۔وہ اکثر و بیشتر اسے بد دعائیں دیتی رہتی تھیں۔اس نے کبھی ان بد دعاؤں کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا،اسے لگتا تھا کہ یہ غصے کا اظہار ہے۔مگر کون جانے کہ قبولیت کا وقت کیا ہے اور کون سی بد دعا کب قبول ہو جائے۔

*******

اس نے رکشے میں بیٹھتے ہوئے وسیم خان کو فون کر کے مطلع کر دیا تھا۔ابھی اس نے کال بند کی ہی تھی جب رکشہ ایک دم رک گیا۔وہ ڈرتی نہیں تھی لیکن باہر پھیلا اندھیرا اسے ایک دم ہولا گیا۔وہ مغرب سے کچھ دیر پہلے گھر سے نکلی تھی تاکہ اندھیرا ہونے سے پہلے ہاسپٹل پہنچ جائے مگر نازیہ وسیم کے ساتھ ہونے والی بحث کے باعث وہ لیٹ ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا بھائی سب ٹھیک ہے؟"اس نے ایک نظر ڈرائیور کو دیکھ کر کہا۔

"باجی پیٹرول ختم ہو گیا ہے اور پیٹرول پمپ بھی دوسری سمت میں ہے۔میں آپ کو دوسرا رکشہ کروا دیتا ہوں۔"رکشہ ڈرائیور نے کندھے پر پڑے کپڑے سے منہ پر آیا پسینہ صاف کیا اور لجاجت سے بولا۔

"اچھا،آپ مجھے دوسرا رکشہ ڈھونڈ دیں۔"اس کے کہنے پر وہ فوراً سڑک پر جا کھڑا ہوا اور کچھ ہی دیر میں اسے رکشہ مل گیا۔گل افروز نے اسے پیسے دیئے اور دوسرے رکشے میں سوار ہو گئی۔

"بھائی مجھے ہاسپٹل کی فرنٹ سائیڈ پر اترنا ہے۔" رکشے والے نے رکشہ بیک گیٹ پر روکا تو وہ بولی۔

"باجی فرنٹ سائیڈ پر رش بہت ہے اگر وہاں رکشہ پھنس گیا تو دو گھنٹے ٹریفک میں لگ جائیں گے۔آپ یہیں اتر جاؤ۔" وہ اکھڑ سے لہجے میں بولا تو گل افروز نے بحث کئے بغیر اسے پیسے دیئے اور اتر گئی۔ابھی وہ چل ہی رہی تھی جب ایک ایمبولینس اس کے پاس آ رکی اور بنا اسے سمجھنے کا موقع دیئے کسی نے اسے اندر کھینچ لیا۔چند لمحوں کا کھیل تھا۔آخری چیز جو اس نے محسوس کی تھی وہ دائیں بازو میں چبھتی ہوئی سرنج کی تکلیف تھی۔اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور دماغ مفلوج۔ایک آخری آواز جو اسے سنائی دی تھی وہ نازیہ وسیم کی تھی۔

"اللہ کرے گل تو آج واپس ہی نہ آئے۔"

*****

ایمبولینس کچھ ہی دیر میں لاہور موٹروے کے پاس تھی۔جبکہ اس کی ظاہری حالت اب ایک سادہ وین جیسی تھی،اس پر کوئی ایسا سٹیکر اور دیگر نشان نہ تھا جس سے پتہ چلتا کہ یہ ایک ایمبولینس ہے۔اس میں کل سات لوگ تھے۔چار لڑکے اور تین لڑکیاں۔ساتوں کی عمر 15-30 کے درمیان تھی۔جس جگہ وین کھڑی ہوئی وہاں پہلے سے ہی ایک ٹرک موجود تھا۔

"اتنی دیر لگادی تم لوگوں نے۔" ایک آدمی چیخ کر ایمبولینس کے ڈرائیور سے بولا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بس صاحب ٹریفک بہت تھی، بڑی مشکل سے آئے ہیں۔" اس نے گلے میں ڈالے گئے پٹکے سے پسینہ صاف کیا۔ کچھ لوگ اب وین سے لڑکیوں اور لڑکوں کو نکال کر ٹرک میں منتقل کر رہے تھے۔ انہوں نے ٹرک کی سامان رکھنے والی جگہ پر تین فٹ اونچا سلائیڈر لگایا تھا جس سے ٹرک میں دو خانے بن گئے تھے۔ ان ساتوں لوگوں کو وہاں لٹا کر انہوں نے سلائیڈر اوپر کر دیا اور گتے کے ڈبے وہاں رکھنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں اوکے کا سگنل ملتے وہ وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ موٹروے پولیس کے چیک کرنے پر انہوں نے بہت تسلی سے ایک ایک ڈبے کی چیکنگ کروائی تھی جس میں جوتے تھے۔ وہاں سے اوکے کا سگنل ملتے ہی وہ سات مختلف ٹرک جو مختلف شہروں سے آئے تھے۔ ایک ہی منزل کی طرف گامزن تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بلوچستان کی طرف۔

ان ساتوں کی قسمت کیا ہونے والی تھی، ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا، ان کے پیچھے کون سی قیامت آنی تھی، وہ ساتوں اس سب سے بے خبر تھے۔

******

وسیم خان عشاء کے قریب میٹنگ سے فارغ ہوئے تھے۔ ان کا امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار تھا اور ایک فارن ڈیلر سے ڈیل کرتے ہوئے انہیں دیر ہو گئی تھی۔ ہاسپٹل پہنچ کر وہ گل افروز کو فون کر رہے تھے مگر اس کا فون آف تھا۔ انہیں لگا شاید ڈیوٹی پر ہونے کی وجہ سے اس نے فون آف کیا

ہے، مگر کچھ ہی دیر میں اس کی کولیگ نے آکر گل افروز کی غیر موجودگی کا پوچھا تو ان کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ پورا ہسپتال چھان مارا مگر وہ کہیں نہ تھی۔ نہ کسی گارڈ نے اسے داخل ہوتے دیکھا تھا اور نہ کسی ڈاکٹر نے۔ تھک ہار کر وہ پولیس اسٹیشن پہنچے تھے۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ وہ 24 گھنٹے سے قبل کوئی قانونی کارروائی نہیں کر سکتے۔۔ وہ جھکے کندھے لئے گھر آئے تھے اور یہ بات جب نازیہ وسیم کو معلوم ہوئی تو انہیں لگا کہ صائمہ سلیم کی کہی گئی ایک ایک بات درست تھی۔ گل افروز واقعی کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی، جبکہ وسیم خان یہ بات ماننے سے انکاری تھے۔ یہ بات فلحال سلیم خان اور ان کے گھر والوں سے چھپائی گئی تھی۔

*****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دھیرے دھیرے اس نے شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو حواس بحال ہونے لگے اور جو سب سے پہلا احساس تھا وہ درد کا تھا۔۔ پورا جسم کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ اس کے پاس نہ چادر تھی نا دوپٹہ، اس کا کوٹ جوں کا توں اس کے جسم پر تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھنا شروع کیا۔ کسی کوٹھری کی مانند وہ کمرہ جس کی دیواریں بوسیدہ تھیں۔ ایک طرف گھاس پھوس کے بنڈل تھے اور وہاں زمین پر اور بھی کئی لڑکیاں تھیں۔

اوہ خدایا! "وہ اغواہ ہو چکی تھی" یہ انکشاف جان لیوا تھا۔ خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں سرائیت کر گئی۔ اس نے دھڑکتے دل سے ایک دفعہ پھر ارد گرد دیکھا۔ مگر منظر جوں کا توں تھا، کچھ

بھی نہ بدلا۔اس نے چکراتے سر کو تھامنے کے لیے بازو اٹھائے مگر جھٹکا لگ کر پھر سیدھی ہو گئی۔اس کمرے میں تقریباً بارہ لڑکیاں تھیں اور ان تمام لڑکیوں کو ایک زنجیر سے ایک ساتھ باندھا گیا تھا۔ان سب کا دایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ ایک ہی زنجیر سے باندھا گیا تھا۔ان میں سے کوئی ایک نہ اٹھ سکتی تھی اور نہ بھاگ سکتی تھی۔خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"یا اللہ میری عزت محفوظ رکھنا۔یا میرے مولا! ہم سب کی عزتیں محفوظ رکھنا۔"اس نے خوف سے روتے ہوئے آنکھیں بند کر کے دعا کی۔ تبھی اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کمرے کی طرف آرہا ہے۔اس نے جلدی سے آنکھیں بند کیں اور لیٹ گئی۔

"کب تک ہوش آئے گا انہیں؟"ایک بھاری آواز گونجی تو اس نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"سرکار دوا تو کم ہی دی تھی پتہ نہیں ہوش کیوں نہیں آرہا۔"ایک دوسری لجاجت بھری آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ہوش میں لاؤ انہیں جلدی۔ایسے پڑے رہنے کے لئے نہیں لے کر آئے ہم انہیں۔"اس بھاری آواز والے نے ایک ٹھوکر وہاں موجود لڑکی کو ماری اور چلا گیا۔ تبھی دو آدمی ان سب پر پل پڑے۔

"اے! اٹھو جلدی کرو۔"ایک آدمی نے پوری شدت سے گل افروز کے پہلو میں ٹھوکر ماری تو وہ درد سے بلبلا اٹھی۔"اٹھو اٹھو جلدی کرو۔"وہ ان سب لڑکیوں کو بالوں سے پکڑتے بے دردی

سے اٹھا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں وہ تمام لڑکیاں ہوش میں آچکی تھیں۔ وہ سب 15-20 سال کی تھیں اور گل سے چھوٹی تھیں۔ ڈری سہمی ہوئی وہ ایک دوسرے میں چھپ رہی تھیں جیسے اس طرح چھپنے سے خطرہ ٹل جائے گا۔

"چلو چلو کھڑی ہو جاؤ جلدی۔"

"اے! کھڑی ہو جلدی۔ تیرے باپ کے نوکر ہیں ہم۔" ایک لڑکی کو ہنوز بیٹھا دیکھ کر ایک آدمی گالی دیتا اس کی طرف آیا۔ ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بیلٹ تھا جسے وہ پوری شدت سے ان پر برساتے جا رہے تھے۔

"جلدی کرو جلدی۔" ایک آدمی نے زنجیر کو ایک سرے سے تھاما تھا اور وہ انہیں گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ گل افروز نے نظریں اٹھا کر ارد گرد دیکھا۔ یہاں قطار میں کوٹھری کی مانند ہی کئی کمرے تھے اور ان کے سامنے ایک دالان تھا وہ لوگ اب انہیں دالان سے گزار کر ایک کمرے میں لیجا رہے تھے۔ تبھی وہاں ایک سائرن سا بجنے لگا۔ وہ دونوں شخص جوان کو لے جا رہے تھے چوکنے ہو گئے۔ وہاں ایک دم سے افراتفری مچ گئی۔ کئی آدمی ادھر سے ادھر بھاگنے لگے اور کئی زنجیروں سے بندھے لوگوں کو کھینچ کھینچ کر کوٹھری نما کمروں میں بند کرنے لگے۔ ان دونوں نے بھی تمام لڑکیوں کو پوری قوت لگا کر کھینچا اور ایک ہال نما کمرے میں بند کر دیا۔ یہ کمرہ پچھلے کمرے سے قدرے کھلا تھا اور یہاں اور بھی کئی لڑکیاں تھیں۔ کمرے میں پھینکتے ہی انہوں نے زنجیر کو

کھول دیا اور دروازہ بند کرتے وہاں سے چلے گئے۔وہ تمام لڑکیاں ڈر اور خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔اس کمرے میں پہلے سے تقریباً دس بارہ لڑکیاں تھیں،نقاہت زدہ سی ملگجے سے حلیے میں وہ آنکھیں موندے وہاں اپنی قسمت پر رو رہی تھیں۔گل افروز کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔وہ فلحال رو کر خود کو ہلکان نہیں کرنا چاہتی تھی،اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ہر حال میں نکلنا تھا۔

"تم لوگ کب سے ہو یہاں؟ اور یہ کون لوگ ہیں؟"اس نے وہاں موجود لڑکیوں سے پوچھا،مگر کئی لمحے انتظار کے بعد بھی کوئی جواب نا آیا۔وہ لڑکیاں نقاہت سے بے حال تھیں یا شاید اس کے سوال کا کسی کے پاس جواب نہ تھا۔گل افروز وہاں سے ناامید ہو کر وہ کمرے میں چاروں اطراف نظریں دوڑانے لگی۔اس کمرے میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔سیلن زدہ کمرے میں پیلے رنگ کا بلب اسے اور وحشت ناک بنا رہا تھا۔وہ اٹھ کر دیواریں ٹٹولنے لگی کاش ان میں کوئی جادوئی دروازہ نظر آجائے۔

"محنت بے کار ہے،ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔" تبھی اسے اپنے عقب سے ایک تھکی سی آواز سنائی دی۔وہ اس بکھرے ہوئے بالوں اور پھٹے ہوئے کپڑوں میں ملبوس لڑکی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہم کہاں ہیں؟کچھ پتہ ہے تمہیں؟" وہ بے قراری سے اس کے سامنے دوزانوں بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

Clubb of Quality Content

"بلوچستان میں۔" وہ لڑکی گل کے عقب میں موجود بلب کو دیکھ رہی تھی بے تاثر نگاہوں سے۔

"یہ لوگ کون ہیں؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔

"دہشتگرد۔" اس نے پھر بے تاثر چہرے سے جواب دیا۔ گل کی سانس اٹکنے لگیں۔

"اور ہمیں کیوں لے کر آئے ہیں یہ؟" اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔اس لڑکی نے بلب سے نظریں ہٹا کر گل کو دیکھا آنکھوں میں ایسا تاثر تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ "کیا تمہیں واقعی نہیں معلوم کہ یہ لوگ ہمیں کیوں لے کر آئے ہیں" اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر گل نے لب بھینچے۔

"اور لڑکوں کو کیوں لے کر آئے ہیں؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"دہشتگرد بنانے کے لئے۔" اس لڑکی نے سیلن زدہ دیوار سے پشت ٹکالی۔ گل نے ایک تھکی اور مایوس نگاہ ان سب لڑکیوں پر ڈالی۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتی، مجھے گھر جانا ہے" وہ خود کلامی سے گویا ہوئی۔

"ناممکن ہے۔" ہال نما کمرے میں لڑکیوں کی سسکیوں کے ساتھ اس لڑکی کی آواز ابھری ، گل نے حیرت سے اسے دیکھا جس کی ویران آنکھوں میں جینے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔

"کیوں؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں دو ماہ سے یہاں ہوں اور بھاگنے کی دو کوششیں کر چکی ہوں، میں تمہیں یہی صلاح دوں گی کہ اس سب کو قبول کر لو۔" اس لڑکی نے آنکھیں موند لیں، یہ جیسے اس کی طرف سے بات ختم کرنے کا اشارہ تھا۔

"اور ابھی یہ سائرن کس چیز کا تھا؟" گل نے ایک بار پھر پوچھا۔

"جب بھی کوئی ایمرجنسی ہوتی ہے ایسا سائرن ہی بجتا ہے۔" اپنی بات ختم کرتے ہی وہ وہیں گٹھری کی طرح ڈھیر ہو گئی۔

*****

وہ وقت، دن، تاریخ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ تمام لڑکیاں بھوک پیاس سے نڈھال نیم بے ہوش تھیں۔ اسے اس وقت نہ بھوک محسوس ہو رہی تھی نہ پیاس۔ اسے صرف واپس جانا تھا۔ اپنے گھر۔ اپنے ماں باپ کے پاس۔ اس کی ماں کتنا پریشان ہو گی وہ جانتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں دو آدمی وہاں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ میں ایک بالٹی پکڑ رکھی تھی جس میں سے دھواں نکل رہا تھا اور اس سے کچھ ٹپک رہا تھا۔ دوسرے نے آتے ہی لڑکیوں کو سیدھا کرنا شروع کیا اور پلاسٹک کی بوتلیں جن کے پیندے کو کاٹ کر انہیں پیالے کی شکل دی گئی تھی ان میں وہ شوربے نما کھولتا محلول ڈال کر وہاں رکھتے گئے۔ جو لڑکیاں پہلے سے وہاں تھیں وہ لپک لپک کر ان بوتلوں کو پکڑنے لگیں جبکہ جن لڑکیوں کو گل کے ساتھ لایا گیا تھا وہ ہکا بکا سی ساری صورتحال دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آدمی کسی آندھی طوفان کی طرح آئے اور چلے گئے۔ گل کے پاس بھی پیالہ نہیں تھا۔ جبکہ وہ لڑکی جو کچھ دیر پہلے اس سے باتیں کر رہی تھی اب بے صبروں کی طرح اس کٹی ہوئی بوتل کو منہ لگائے اس محلول کو پی رہی تھی۔ وہ دال تھی مگر برائے نام۔ گل ٹکٹکی باندھے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی جس کے منہ سے دال اب باہر گر رہی تھی، تبھی اس لڑکی نے وہ پیالہ گل کی طرف بڑھا دیا۔ وہ محلول اس پیالے سے ٹپک رہا تھا۔ گل نے سر نفی میں ہلا دیا وہ لڑکی اسے دوبارہ منہ سے لگا گئی۔

"تم کس شہر سے ہو؟"

یہ اس سے اگلے دن کی بات تھی، وہ لوگ آج ہی اس کمرے سے چار لڑکیوں کو لے کر گئے تھے اور باقیوں کے احتجاج پر انہوں نے سب کو چمڑے کے بیلٹ سے مارا تھا، اپنا ٹوٹا بدن لے کر گل دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ بھوک سے اسے نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آ رہا تھا۔ مگر وہ ہمت کئے بیٹھی رہی۔ اپنا انجام وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ ہمت نہیں ہار سکتی تھی۔ آج بھی وہ اسی لڑکی سے ہی سوال کر رہی تھی۔

"کراچی سے۔" وہ پوری طرح گل کی طرف متوجہ تھی۔

"تمہارا دل نہیں کرتا واپس جانے کو؟" گل کے لہجے میں ترحم تھا۔

"کرتا ہے۔" اس کے لہجے میں آس تھی، آنسو کسی بن بلائے مہمان کی طرح اس کے گالوں پر پھسلنے لگے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نام کیا ہے تمہارا؟" گل نے اس کے آنسو دیکھ کر کہا۔

"عروہ۔" وہ ہچکیوں میں بولی

"دیکھو! میں پوری کوشش کروں گی کہ ہم یہاں سے نکل سکیں۔ کامیابی یا ناکامی تو قسمت کی بات ہے مگر میں لڑے بغیر ہار نہیں مان سکتی۔ تم میرا ساتھ دو گی؟" وہ ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"ہاں! ضرور دوں گی۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ تبھی وہاں دو آدمی پھر کھانا لے کر آئے۔ آج گل نے بھی وہ کھولتا پانی پیا تھا، اور یہ گل کی اچھی قسمت تھی کہ وہ آدمی عجلت میں دروازہ بند کئے بغیر پلٹ گیا تھا۔ گل نے ایک نظر عروہ کو دیکھا۔ کھلا دروازہ دیکھ کر اس میں ایک دم سے نجانے کہاں سے طاقت آگئی۔ انہوں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد دروازے کے پٹ کو تھوڑا سا کھولا۔ دروازہ عجیب سی آواز سے کھلتا چلا گیا۔ وہاں قطار میں کمرے تھے اور درمیان میں دالان، مگر وہاں صحن یا سورج کی کرن نہیں تھی۔ وہ دالان بھی اوپر سے ڈھکا ہوا تھا۔ شاید اوپر بھی کمرے تھے۔ اس نے دائیں طرف جانا شروع کیا۔ تبھی عروہ نے اسے کھینچا، سامنے ہی ایک آدمی بڑی سی سیاہ پگڑی میں بندوق تھامے پہرے پر معمور تھا۔

"اس طرف نہیں، اس طرف چلو۔ دروازہ یہاں ہے۔" عروہ نے اسے بائیں سمت گھسیٹتے ہوئے کہا۔ وہ چور نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی دھیمے قدموں سے چلتی جا رہی تھیں، تبھی وہاں

ایک بڑا سا لوہے کا دروازہ نمودار ہوا، گل کی آنکھوں میں چمک آئی۔اسے لگا آزادی اس سے چند قدم دور ہے۔

مگر آزادی کبھی قربانی کے بغیر ملی ہے کیا؟

تبھی سیاہ سوٹ، پیروں میں کھیڑی پہنے اور سر پر بڑی سی پگڑی پہنے جس کا ایک پلو دائیں کندھے سے لا کر بائیں پر پھینکا گیا تھا ایک آدمی سامنے آیا اس کے پیچھے اسی حلیے کے چار آدمی اور نمودار ہوئے۔آنکھوں میں گہرا سرمہ ڈالے وہ شخص شدید وحشت ناک لگ رہا تھا گل کے قدم تھمے مگر سانسیں تو تب اٹکیں، جب عروہ نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور جا کر اس آدمی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

ناولز کلب

"سرکار! یہ بھاگنا چاہ رہی تھی بیچاری کو اپنے گھر جانا ہے، اسے ماں باپ یاد آ رہے ہیں۔" وہ مؤدب سی اس آدمی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی اور طنز سے بولی۔

"اچھا یہ بات ہے۔" وہ آدمی بھاری آواز میں بولا اور سگریٹ کا کش لگا کر دھواں فضا میں چھوڑا اور قدم قدم چلتا گل کے سامنے آ رکا۔اس کی آنکھوں اور لہجے کی وحشت گل کے حواس سلب کرنے کو کافی تھی۔

"لے آؤ اسے۔اس کے ماں باپ یاد دلاتے ہیں۔" اس کے کندھے سے کندھا مس کرتا وہ شخص اپنے آدمیوں کو اشارہ کرتا ایک کمرے میں چل دیا۔ساکت کھڑی گل کو دو آدمیوں نے دائیں

بائیں سے پکڑ لیا تو اسے ہوش آیا۔ عروہ کی غداری کا دکھ تو کہیں جا سویا تھا فلحال اسے اپنے انجام سے خوف آرہا تھا۔ان آدمیوں نے اسے لا کر کرسی پر باندھ دیا۔وہ شخص اب سامنے صوفے پر بیٹھا اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ سگریٹ کا ایک آخری گہرا کش لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سگریٹ کو گل کے دائیں ہاتھ پر مسل دیا۔ایک سکتہ تھا جو ٹوٹا تھا، شدید جلن اور تکلیف سے اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی۔آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔اسے تڑپتے دیکھ اس آدمی نے سگریٹ ہٹا کر سرخ ہوئی جلد کو ہاتھ سے سختی سے مسل دیا۔اس کے چہرے پر کائی تاثر نہیں تھا۔

"کچھ ایسا کرو کہ اسے اس کے ماں باپ بھی یاد آجائیں اور یہ بھاگ بھی نہ سکے۔" پراسرار لہجے میں کہتا وہ اپنے آدمی کی طرف متوجہ ہوا۔اس کا آدمی اشارہ سمجھتے ہی سر ہلا کر کمرے میں موجود ٹیبل کے دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ گل کا دھیان فلحال اپنے ہاتھ کی طرف تھا۔وہ آدمی پلٹا تو اس کے ہاتھ میں کٹر تھا۔ گل کی آنکھیں ابل پڑیں۔وہ سر گوشی سے کچھ کہتی سر نفی میں ہلانے لگی۔۔

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہے مت کرو۔۔میں کہیں نہیں جاؤں گی۔۔یہیں رہوں گی۔۔یقین کرو میرا۔۔مجھے کچھ مت کرو اللہ کا واسطہ ہے۔" وہ تڑپتی ہوئی بولی اور ساتھ ہی ہلنے لگی ان دونوں آدمیوں نے اسے پکڑ لیا، اس طرح کے اب وہ ہل نہیں پا رہی تھی۔وہ آدمی کٹر تھام کر نیچے بیٹھا اور اس کا دایاں پاؤں پکڑ لیا۔ گل تکلیف سے ٹانگ ہلانے لگی تو عروہ نامی لڑکی نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ تھام لی۔اس آدمی نے گل کے دائیں پاؤں کو پکڑ کر کٹر کو اس کے انگوٹھے کے ناخن میں پھنسایا اور پوری قوت سے ناخن کھینچ ڈالا۔

"آہ!" گل کے حلق سے ایک دردناک چیخ بلند ہوئی۔اسے لگا اس آدمی نے اس کے دماغ سے کوئی نس پاؤں کے ذریعے کھینچی ہے۔جسم میں جہاں جہاں سے وہ نس گزر رہی تھی وہاں وہاں درد اٹھ رہا تھا۔وہ پوری جگہ گل کی دلدوز چیخوں سے گونج رہی تھی۔اس آدمی کی گود میں اور فرش پر خون بکھر چکا تھا۔اس نے اسی طرح اس کے دونوں پاؤں کی ساری کی ساری انگلیوں کے ناخن اکھیڑ ڈالے۔فرش خون سے بھر چکا تھا اور وہ چیخ چیخ کر نڈھال ہو چکی تھی۔اپنے خون آلود ہاتھ اس نے گل کے چہرے اور کوٹ سے صاف کئے اور آدمیوں کو اشارہ کیا۔۔انہوں نے گل کو کھول دیا اور زبردستی اسے پیروں پر کھڑا کیا۔گل نے جیسے ہی پیروں پر وزن ڈالنے کی کوشش کی تو درد سے بلبلا اٹھی اور دھڑام سے نیچے گری۔نیچے بکھرا اس کا اپنا خون ہی اس کے کپڑوں کو رنگتا چلا گیا تھا۔دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔۔

"اس کو آج یہیں رہنے دو اور جیسے ہی ہوش آئے اپنے آدمیوں میں سے کسی کے کمرے میں پھینک دینا۔" اس آدمی نے ایک نظر بے ہوش پڑی گل کو دیکھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

********

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم کو کسی نے چکی کے دو بٹوں میں رکھ کر پیس دیا ہو۔ بھاری ہوتے پپوٹے اس نے بمشکل کھولے تو کمرے میں جلتا واحد پیلا بلب اس کی آنکھوں میں تیزاب کی طرح چبھا۔ اس نے تڑپ کر آنکھیں بند کر لیں۔ دھیرے دھیرے ہمت کرتی وہ سیدھی ہوئی اور پاس کھڑی کرسی کا سہارا لے کر اٹھنے لگی، پورا وزن کرسی پر ڈالے وہ اٹھ رہی تھی جب اسے پیروں میں شدید تکلیف کا احساس ہوا تب اسے یاد آیا کہ اسے کیا ہوا تھا۔ اس نے ایک درد بھری نگاہ اپنے پیروں پر ڈالی۔ ناخنوں کی جگہ وہاں سے سرخ جلد نظر آ رہی تھی اور فرش پر اس کا خون بکھرا پڑا تھا۔ پاؤں کی انگلیاں اب سوجھ گئی تھیں۔ اس کے پاؤں اس کا وزن اٹھانے سے انکاری تھے۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ تکلیف کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس کی ساری انگلیوں میں ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی کند چھری سے مسلسل کاٹ رہا ہو۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ تبھی وہی دو آدمی جو اس سردار کے ساتھ تھے وہاں آئے اور اسے گھسیٹنے لگے۔ وہ بالکل بھی اپنا وزن نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ اسے دونوں طرف سے ان آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا۔ اس کے پاؤں کی زخمی انگلیاں ٹوٹے پھوٹے فرش سے مزید زخمی ہو رہی تھیں۔ وہ جہاں جہاں سے گزر رہی تھی خون کی ایک لکیر وہیں نقش ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ٹوٹے ہوئے دروازے والے کمرے کے سامنے وہ رکے اور دروازہ کھول کر اسے اندر پھینک دیا۔ وہ دھڑام سے نیچے گری۔

"اوئے! سردار کا حکم ہے کہ آج اس کی ایسی حالت کرو کہ یہ یہاں سے بھاگنے کا سوچ نہ سکے۔۔"انہوں نے اندر موجود وجود کو خبر دی اور دروازہ بند کرتے چلے گئے۔۔ان کے الفاظ گل کو ساکت کر گئے۔

"یااللہ! ایک اور امتحان۔"اس نے کرب سے سوچا اور وہیں لیٹی رہی۔ کئی پل سرک گئے۔اسے لگا کمرے میں کوئی دوسرا وجود نہیں ہے۔ہمت کرتی وہ سیدھی ہوئی تو نظریں اس کمرے کی دیوار سے جا ٹکرائیں۔اس کمرے میں سفید رنگ ہوا تھا۔چونکہ یہاں کی دیواریں بھی سیلن زدہ تھیں مگر سفید رنگ پھر بھی نمایاں تھا اس سفید رنگ پر چاروں دیواروں پر سیاہ، سرخ، نارنجی، نیلی افقی سطریں لگی ہوئی تھیں۔اس نے چاروں طرف دیکھنے کے بعد سامنے دیکھا جہاں گدلے سے بستر پر کوئی وجود تھا۔ساکت سا۔۔کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتا۔گل کو خوف آنے لگا۔اس نے سیدھا ہونے کی کوشش کی تو درد سے پھر سسک اٹھی اس کی سسکی سن کر اس وجود کا سکتہ ٹوٹا۔وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔لمبے بکھرے ہوئے گرد سے اٹے بال اور بڑھی ہوئی ملگجی سی داڑھی۔اندر کو دھنسے ہوئے گال اور آنکھیں۔اس کے تن پر کوئی کپڑا نہیں تھا جبکہ نیچے اس نے شلوار پہن رکھی تھی۔اس کی ہنسلی کی اور سینے کی ہڈیاں واضح طور پر نظر آ رہی تھیں۔یہی حال پسلیوں کا تھا۔گل کو وہ انسان کسی قحط زدہ علاقے کا باسی لگا۔وہ یک ٹک گل کو دیکھ رہا تھا۔اور گل کو اس کی نظروں سے خوف آ رہا تھا صرف نظروں سے ہی نہیں بلکہ اس سارے کے سارے وجود سے۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی ڈھانچہ دیکھ رہی ہے۔وہ شخص دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا۔گل سسک کر دیوار سے جا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لگی۔اس نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا کر قدموں پر مبذول کیں تو پیلی ملگجی سی روشنی میں اس کے پیروں میں ٹخنوں کے قریب زخم وہ صاف دیکھ سکتی تھی۔جیسے اسے مسلسل باندھا گیا ہو۔وہ شخص اس کے قریب بیٹھ گیا۔گل سانس روک گئی۔

"تمہیں پتہ ہے تمہیں یہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟"وہ بیٹھی ہوئی آواز میں بے تاثر چہرے سے بولا۔

"پلیز نہیں۔۔۔"وہ سسکی۔لہجے میں التجا تھی۔

"باہر سب تمہاری چیخوں اور سسکیوں کے انتظار میں ہیں۔"وہ اس کے الفاظ پر غور کئے بغیر اپنی ہی دھن میں بول رہا تھا۔

"مجھے کچھ مت کرو۔۔پلیز۔۔"وہ ہاتھ جوڑ کر گویا ہوئی۔اور پیچھے کو رینگنے لگی۔

"چیخو۔۔"وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔اس کے بال گل کے چہرے کو چھونے لگے۔اس نے رخ موڑ لیا۔

"اگر چاہتی ہو کہ بچ جاؤ تو چیخو۔"وہ اس کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا۔گل کو اس کی ابھری ہوئی ہڈیوں،اس کے بکھرے بالوں اور پراسرار لہجے سے وحشت ہوئی۔اس کی ایک دلدوز چیخ اس کمرے میں گونج گئی۔وہ شخص جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔وہ چیختی رہی۔دونوں ہاتھوں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سے اسے دور جھٹکتی رہی، جبکہ وہ اس پر جھکا اسے بے تاثر نگاہوں سے دیکھتا اس کی چیخیں سنتا رہا۔تب تک جب تک اسے تسلی نہیں ہو گئی کہ باہر کھڑے وہ دونوں آدمی اب جا چکے ہیں۔وہ تھکے قدموں سے پیچھے کو ہوا مگر اٹھا نہیں۔گل نے چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔اسے پیش قدمی نہ کرتے دیکھ وہ ہاتھ چہرے سے ہٹا گئی۔ تبھی وہ اٹھا اور کمرے میں موجود مٹکے سے اسے پانی کا پیالہ لا کر دیا۔گل اس عنایت کو برداشت نہ کر سکی۔ابھی عروہ کہ غداری وہ بولی نہیں تھی۔وہ پیالہ تھامے اس کے سر پر کھڑا تھا جبکہ گل سر نفی میں ہلا گئی۔اس کی گندے سیاہ عجیب سی شکل کے ہاتھوں کے ناخن دیکھ کر گل کو پھر وحشت ہوئی۔اس نے پیالہ اس کے پاس رکھ دیا اور جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔گل نے چور نگاہوں سے اسے دیکھا اور ایک نظر پیالے کو۔پیاس اور چیخنے کی وجہ سے اس کا گلا پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر پیالہ تھام کر لبوں کو لگا لیا۔پانی پی لینے کے بعد وہ پھر اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی۔وہ بازو آنکھوں پر رکھے چت لیٹا تھا۔گل پھر کمرے کی دیواروں کو دیکھنے لگی۔مگر تھک کر نظریں پھر اس وجود پر جا ٹھہریں

"سنو!"اس نے دھیمی سی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"شششش۔۔شور مت کرو،بس روتی رہو۔"وہ سرگوشی میں بولا اور اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ان دونوں کے پاؤں زخمی تھے۔اس کے پاس آ کر بیٹھنے پر گل میں ہمت نہ رہی کہ اس سے کچھ پوچھ سکے۔وہ شاید رات کا عالم تھا۔ساری رات ان دو نفوس نے سیلن زدہ دیوار سے ٹیک لگا کر

گزاری تھی۔انہیں بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے تھے۔ تبھی وہاں وہی سائرن بجا۔گل راہداری میں بھاگتے قدموں کی دھمک اور زنجیروں کی چھن چھن بخوبی سن رہی تھی۔ تبھی وہ وہاں سے نکل گیا اور کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں روٹی تھی۔اس نے وہ روٹی چپ چاپ گل کی طرف بڑھادی۔گل نے روٹی کا وہ ٹکڑا تھام لیا۔

"اب کچھ دیر تک تم یہیں رہو گی۔باہر کوئی نہیں ہے۔" وہ جیسے اسے تسلی دینے کو بولا۔اس وجود نے اپنے اس گدلے سے بستر کو الٹ پلٹ کرنا شروع کیا، گویا وہ کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" گل نے جھجکتے ہوئے اس سے پوچھا، وہ خاموش رہا۔کچھ دیر بعد شاید اسے مطلوبہ چیز مل گئی، اسے ہاتھ میں پکڑے وہ سیدھا ہوا۔وہ ایک رنگین پتھر تھا۔وہ جا کر دیوار کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بغور اسے دیکھنے لگا، دیوار افقی سطروں سے بھری پڑی تھی۔

"کیا تم بھی یہاں قید ہو؟" بظاہر اسے باندھا نہیں گیا تھا مگر اس کی حالت قیدیوں سے بھی ابتر تھی۔دیوار پر جگہ نہ ملنے پر وہ ناامید سا واپس گل کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"تم کہاں سے آئے ہو یہاں اور کب سے ہو؟" وہ مسلسل اس سے سوال کر رہی تھی جبکہ وہ اس کے عین سامنے بیٹھا تھا۔بے تاثر نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔مگر خاموش تھا۔اس کی خاموشی سے مایوس ہو کر گل ہاتھوں پر زور ڈال کر پیچھے کو ہوئی۔اسے لگا سوال کرنا فضول ہے یہاں سب خاموشی کی زبان بولتے تھے۔ تبھی اس ہڈیوں کے ڈھانچے میں حرکت ہوئی۔وہ اپنے دونوں

Clubb of Quality Content

ہاتھ گردن تک لے گیا۔ بال گچھوں کی صورت میں ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو گردن کے پیچھے حرکت دیتا رہا اور گل اس کو دیکھتی رہی۔ تبھی اس نے ایک دھاگے کی ڈوری جس میں کچھ پرویا ہوا تھا گل کی طرف بڑھائی۔ گل نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ ڈوری تھام لی۔ اس کے درمیان میں مومی کاغذ میں کچھ بندھا ہوا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے وہ شاپر کھولا تو اس میں ایک کاغذ تھا۔ گل نے احتیاط سے وہ بوسیدہ کاغذ کھولا وہاں درج تحریر پڑھ کر اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ گل کے عقب میں موجود دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

"تیمور شہزاد

عمر 14 سال

شہر لاہور"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس کے ساتھ ایک پتہ بھی درج تھا۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس کی عمر کیا ہے۔ لیکن اگر وہ چودہ سال کی عمر میں یہاں آیا تھا تو وہ اپنی زندگی کا ایک لمبا عرصہ اس جہنم میں گزار چکا تھا۔ وہاں جہاں گل بمشکل چند دن گزار پائی تھی۔

"مجھے خوف تھا کہ میں خود کو بھول جاؤں گا اس لیے بہت پہلے لکھ کر رکھا تھا۔" وہ ہنوز دیوار کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

"تم یہاں کب سے ہو؟" گل نے ترحم آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اس کی گنتی نہیں۔ پہلے پہل میں دیواروں پر دن شمار کرتا تھا مگر پھر دیواریں کم پڑ گئیں۔" وہ نقاہت سے بیٹھی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہارا دل نہیں کرتا یہاں سے جانے کو؟" گل نے دائیں طرف نظریں گھما کر ان سطروں کو دیکھا۔

"نہیں۔۔ وہ دنیا اب میری نہیں رہی، یہی دنیا میری ہے۔" اس ویران کمرے میں ان دونوں کی سرگوشی نما آواز گونج رہی تھی۔

"کیوں؟ تم نے کبھی بھاگنے کی کوشش نہیں کی؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھتی سوال کر رہی تھی۔ اس چہرے سے اب خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے سوال کے بدلے میں اس شخص نے نظریں اس کی سوجھی ہوئی انگلیوں پر مرکوز کیں۔ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر گل لب بھینچ گئی۔ اس کی نظروں نے گل کو جواب دیا تھا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میرے ماں باپ میرے منتظر ہیں۔ مجھے ہر حال میں یہاں سے جانا ہے۔" وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ خود کو یاد دلا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں، تمہارا کوئی منتظر نہیں ہو گا بلکہ وہ تو دعا کر رہے ہوں گے کہ تم کبھی واپس نہ آؤ۔ مر جاؤ۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز ابھری تو گل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ کیا تمہارے ماں باپ بھی تمہارے منتظر نہیں ہوں گے؟" وہ جلن اور دکھ سے تیکھے لہجے میں بولی۔ گل کو اس کی بات بری لگی تھی۔

"نہیں۔۔ میرے ماں باپ تو انتظار کر رہے ہوں گے میرا، میں اگر مزید اتنے سال یہاں رہا تب بھی وہ لوگ اتنی ہی شدت سے میرا انتظار کریں گے۔ مگر تمہارا منتظر کوئی نہیں ہے" اپنے گھر والوں کو یاد کر کے اس کے چہرے پر نرم سے تاثرات آئے تھے۔ اس کی ملگجی سی آنکھوں میں چمک ابھری۔ وہ جیسے کہیں اور ہی پہنچا تھا۔

"اور ایسا کیوں ہے بھلا؟" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی بولی۔

"کیونکہ تم ایک لڑکی ہو۔" اس کے جواب نے گل کو مزید الجھایا تھا۔

"اگر تمہارے گھر والے تمہارا اتنا انتظار کر رہے ہیں تو تم یہاں سے جاتے کیوں نہیں؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"بتایا تو ہے وہ دنیا میری نہیں رہی اب۔ میں اب ان لوگوں کے لئے صرف ایک عجوبہ ہوں اور تم۔۔۔" وہ جیسا بات کرتے کرتے رک گیا تھا۔ وہ بات مکمل نہ کر سکا، نجانے کیوں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم اتنے ٹائم سے یہاں ہو، کیا تم بھاگنے میں میری مدد کر سکتے ہو پلیز؟" وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

"کیا کرو گی جا کر؟ مان لو حقیقت کو حقیقت کو قبول کرنے سے تکلیف کم ہوتی ہے۔" وہ بولا تو لہجے میں زمانوں کی تھکن تھی۔

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہاں سے بھاگنے کا کیا راستہ ہے؟" وہ ہر حال میں یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"صرف ایک راستہ ہے مین گیٹ۔ لیکن اگر تم یہاں سے نکل بھی گئی تو یہ علاقہ سارا کا سارا ان کا ہے۔ تم ان کے چنگل سے نہیں نکل سکتی اب۔" وہ دور دیوار پر مکڑے کے جال میں پھنسی مکھی کو دیکھ کر بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لیکن میں کوشش ضرور کروں گی۔ مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ میں خود کو اس جہنم میں نہیں دھکیل سکتی۔" گل کی نظریں بھی اس مکھی پر ہی تھیں۔ وہ مکھی پوری طاقت سے اڑنے کی کوشش کر رہی تھی مگر مکڑے کا جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس مکھی نے ایک آخری کوشش کی اور پوری قوت سے اڑان بھری۔ وہ اس جال سے نکل آئی تھی۔ تبھی مکڑے نے اپنے لمبی ٹانگ کا استعمال کرتے اسے کھینچ لیا۔ ان دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا ایک کی آنکھوں میں ڈر تھا اور دوسرے کی آنکھوں میں تنبیہہ۔

"مگر میں یہی کہوں گا کہ کوشش بے کار ہے۔" وہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا اور جا کر بستر پر لیٹ گیا۔ گل کا پورا دن اس کے کمرے میں گزرا تھا۔ وہ پر سوچ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جو بازو آنکھوں پر رکھے چت لیٹا تھا۔ تبھی اس کمرے میں ایک آدمی آیا اور اسے وہاں سے لے گیا۔ تیمور نے بند آنکھوں کے پردوں سے اسے دور جاتے دیکھا تھا۔ وہ پھر اسی ہال نما کمرے میں آگئی تھی۔

******

"کچھ پتہ چلا گل کا؟" وسیم خان ابھی پولیس اسٹیشن سے تھکے ہوتے آئے تھے۔ لاؤنج کے صوفوں پر سلیم خان، جنید خان اور صائمہ سلیم براجمان تھیں۔ ان کے بیٹھتے ہی سلیم خان نے سوال کیا۔ وہ نفی میں سر ہلا گئے۔

Clubb of Quality Content

"پولیس والوں کا کہنا ہے کہ وہ ہسپتال کے بیک گیٹ پر اتری تھی۔ اس سے آگے اس کی لوکیشن نہیں مل رہی۔" وہ مایوس سے لہجے میں بولے۔

"ویسے سوچنے کی بات ہے بھائی صاحب! اس کو کیا ضرورت تھی بھلا آدھی رات کو بیک گیٹ پر اترنے کی؟" صائمہ سلیم نے تیکھے سے لہجے میں کہا تو نازیہ وسیم رونے لگیں۔ جبکہ وسیم خان نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ہسپتال کے فرنٹ گیٹ پر احتجاج ہو رہا تھا وہ اسی لئے بیک پر اتری تھی۔" وہ مضبوط لہجے میں کچھ باور کرواتے بولے۔

"ہونہہ! جانے دیں بھائی صاحب۔۔آپ کی بیٹی کے رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے اور میں نے تو اسے آگاہ بھی کیا تھا، مگر اس کے نزدیک یہ کون سا بڑی بات ہے۔اب بھگتو۔ تمہارے ساتھ ساتھ ہماری عزت بھی لے بھاگی وہ۔ میرے بیٹے کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا آپ کی ناہنجار بیٹی نے۔" وہ تڑخ کر نازیہ وسیم کی طرف اشارہ کر کے بولیں جبکہ جنید خان نے مزید گردن اکڑائی۔

"بھائی صاحب اپنی بیوی کو زبان کو لگام دیں۔میں ان سے بدتمیزی بالکل نہیں کرنا چاہتا۔اگر آپ لوگ ہمارے دکھ میں شریک نہیں ہو سکتے تو ہمارے دکھوں میں اضافہ مت کریں۔" وہ سرخ نگاہوں نے سلیم خان کو دیکھتے بولے۔"اور تم۔۔اپنی عزت اپنے بل بوتے پر بناؤ عزت کے لئے میری بیٹی یا کسی بھی لڑکی کے محتاج مت بنو۔" وہ جنید خان کی طرف دیکھتے بولے۔

"آپ کی بیٹی کے پاس عزت ہے جو میرا بیٹا اس کا محتاج ہو گا۔" ان کی بات پر صائمہ سلیم کو پتنگے لگے۔

"وہ رہا دروازہ۔۔آپ کے آنے کا بہت شکریہ!" وہ دروازے کی طرف اشارہ کرتے بولے

"ہونہہ! سچ تو کڑوا ہی ہوتا ہے۔ بھئی میں تو یہی کہوں گی کہ عادت ڈال لو ان باتوں کی ابھی تم نے یہ باتیں بہت سے لوگوں سے سننی ہیں۔" سلیم خان اس سارے عرصے میں چپ ہی رہے تھے۔ وہ ہمیشہ چپ ہی رہتے آئے تھے۔

"اللہ کرے گل تو مر جائے۔۔ تو کبھی واپس نہ آئے تو نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔" ان کے جاتے ہی نازیہ وسیم بین کرنے لگیں تو وسیم خان نے غصے سے ان کی طرف دیکھا

"خبردار نازیہ! خبردار اگر آپ نے میری بیٹی کو بددعا دی۔ اگر آپ اس کے لئے دعا نہیں کر سکتیں تو بددعا بھی مت دیں۔ ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ آپ میری بیٹی کی ماں ہیں۔" وہ گرجتے ہوئے بولے تو نازیہ وسیم سہم گئیں۔ مگر آنسو ہنوز بہہ رہے تھے۔ وسیم خان نے انہیں نظر انداز کیا اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ وہ ایک اس واحد بارگاہ میں اپنی اولاد کی سلامتی کی دعا مانگنا چاہتے تھے جہاں سے کسی کو خالی ہاتھ نہیں لٹایا جاتا۔

******

"ہمارے ایران سے کچھ دوست آرہے ہیں تو آج مال تیار رکھنا بلکہ چلو میں خود چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" بھورے رنگ کے سوٹ میں ملبوس وہ شخص جو حلیے سے سردار لگ رہا تھا اپنے آدمی سے گویا ہوا۔ وہ آدمی مؤدب سا اس ہال کی طرف چل پڑا۔ وہ شخص ایک ایک کر کے لڑکیوں کو چنتا جا رہا تھا جب اس کی نظر گل پر پڑی۔ اتنے دنوں کی نقاہت، کپڑوں پر لگا خون اور بکھرے بالوں

میں بے شک وہ قابل رحم لگ رہی تھی مگر اس کا حسن اب بھی ماند نہیں پڑا تھا۔اور وہ ان تمام لڑکیوں سے بڑی بھی تھی۔

"اس لڑکی کو بھی لے آؤ۔"اس نے گل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

"سردار وہ۔۔دراصل یہ دو راتیں اپنے پرانے قیدی کے کمرے میں گزار آئی ہے۔۔"وہ آدمی جھجکتے ہوئے بولا۔وہاں لائے گئے لڑکوں کو اسلحے کے استعمال سے لے کر خود کش بمبار بننے تک کی ٹریننگ دی جاتی تھی اور جو اس کام سے انکار کرتے ان پر تشدد کیا جاتا تھا،مشقت طلب کام کروائے جاتے، کھانا نہ دیا جاتا اگر دیا جاتا تو پیٹ بھر کر کھلاتے اور ایک آدمی کو سر پر کھڑا کر دیتے جیسے ہی وہ بچہ سونے کی کوشش کرتا سر پر کھڑا شخص اسے چمڑے کے بیلٹ سے مارنے لگتا۔کئی کئی راتیں انہیں سونے نہ دیا جاتا اور جب وہ نیم پاگل ہو جاتے تو انہیں کسی کمرے میں پھینک دیا جاتا۔مگر نہ تو وہ ان کو مارتے تھے اور نہ بھاگنے دیتے تھے اور جب انہیں یقین ہو جاتا کہ یہ اب کہیں نہیں جائے گا تو انہیں اتنی آزادی مل جاتی کہ ان کے پیروں سے وہ زنجیر اتار دی جاتی۔بعض اوقات جو لڑکیاں زیادہ بغاوت کرتیں تو انہیں سزا کے طور پر ان آدمیوں کے کمروں میں بھیج دیا جاتا تھا۔اب یہ گل کی اچھی قسمت تھی کہ اس کے حصے میں تیمور شہزاد آیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"خبیث انسان میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ نیا مال نہ بھیجا کرو ان کے کمروں میں۔ تیری ماں لے کر آؤں میں اب اس کی جگہ؟ دفعہ کر اس کو اب۔" وہ آدمی ایک دم غرا کر بولا۔ گل کا دل کیا سجدے میں گر جائے۔۔ خدا اس کے ساتھ تھا۔ اس کے ماں باپ کی دعائیں تھیں جو اسے بچا رہی تھیں۔

اگلے دو دن اس نے اسی کمرے میں گزارے تھے جبکہ تیسرے روز ان کے پہرے دار گل کو اور باقی لڑکیوں کو کمرے سے باہر لے گئے تھے۔ بڑے دالان سے گزرتے ہوئے ان قطار میں موجود کمروں میں ایک کمرے میں داخل ہو کر وہ انہیں پچھلی طرف لے آئے۔ یہاں بھی ویسا ہی اندھیرا تھا جیسے اس دالان اور کمرے میں تھا۔ وہاں گندے پانی کا ایک نالہ بہہ رہا تھا۔ ان آدمیوں نے کپڑوں کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے انہیں دھونے کو بولا اور وہاں پہرہ دینے لگے۔ گل کے ساتھ چار لڑکیاں اور تھیں۔ وہ چوکنی نظروں سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ وہ متلاشی تھی کسی ایسے راستے کی جہاں سے وہ بچ نکلتی۔ اور پھر اسے راستہ نظر آ گیا تھا۔ نالہ جس رخ کو بہہ رہا تھا وہ اس طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ بیرونی دیوار کے قریب پتھر رکھ کر چھوٹا سا رستہ بنایا گیا تھا جہاں سے پانی باہر جا رہا تھا۔ اسے اپنی زخمی انگلیوں پر صابن کی چبھن بھی بھول گئی۔ اس کے وجود میں ایک دم سے توانائی آ گئی۔ کپڑے دھونے کے بعد وہ لوگ انہیں واپس وہاں بند کر کے چلے گئے تھے۔ گل کو اب بس موقعے کی تلاش تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

*****

آج شاید ان لوگوں کے ایران سے وہ مہمان آئے تھے جن کا ذکر وہ شخص اس دن کر رہا تھا۔ سارے پہرے دار ان کی تواضع میں مصروف تھے۔ کھانا دینے جو شخص آیا وہ واپسی پر دروازے کو تالا لگانا بھول گیا تھا اور یہی وہ موقع تھا جس کی گل کو تلاش تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ ہر طرف سناٹا ہے وہ دھیرے سے اٹھی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ ان لڑکیوں کو بھی ساتھ لیجائے، مگر اتنے لوگوں کو ساتھ لے جانا یقیناً خطرے کا باعث بنتا۔

"اگر میں یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو میرا وعدہ رہا، جب تک زندہ ہوں تم لوگوں کو یہاں سے نکالنے کے لیے اپنی آخری سانس تک لگا دوں گی۔" وہ دھیمی سی سرگوشی میں بولی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس نالے کی طرف جاتے یک دم اس کے قدم رکے۔ اسے کوئی یاد آیا تھا۔۔ شدت سے۔۔ اس کے قدم خود بخود اس کے کمرے کی طرف بڑھے۔ سارے پہرے دار آج مہمانوں کی تواضع کر رہے تھے۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ حسبِ معمول چت لیٹا ان سطروں کو گن رہا تھا۔

"بات سنو! میں یہاں سے بھاگ رہی ہوں۔ تم چلو گے میرے ساتھ؟" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئی۔ وہ اٹھ کر حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"آج مین گیٹ پر معمول سے زیادہ سیکیورٹی ہے۔آج بھاگنے کی غلطی مت کرنا۔" وہ اسے نرمی سے ٹوک گیا۔

"میں مین گیٹ سے نہیں جارہی۔مجھے ایک اور رستہ ملا ہے۔" وہ دبے دبے جوش سے بتارہی تھی وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔اس کی خاموشی سے عاجز آکر گل باہر کو چل دی۔اسے لگا کہ وہ آنا ہی نہیں چاہتا۔ تبھی اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنی۔اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ دھیمے قدم اُٹھاتا اس کے پیچھے آرہا تھا۔گل بے شک ابھی بھی انگلیوں میں درد محسوس کررہی تھی مگر فلحال یہ طاقت بہت تھی کہ وہ یہاں سے نکل سکتی تھی۔وہ چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی اس نالے کے آخری سرے تک گئی اور آہستہ آہستہ وہاں موجود بڑے بڑے پتھر ہٹانے لگی۔سارے پتھر ہٹانے کے بعد بھی وہاں بمشکل ایک انسان کے گزرنے کی جگہ بنی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جاؤ۔۔" وہ ہانپتی ہوئی اس سے کہنے لگی۔

"تم جاؤ پہلے۔" وہ ایک نظر پیچھے دیکھتا اسے کہنے لگا جو لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ تیمور کا ارادہ تھا کہ گل کے نکلتے ہی وہ وہاں پتھر رکھ دیتا۔

"نہیں تم جاؤ جلدی کرو وقت نہیں ہے۔" وہ اسے تقریباً دھکیلتے ہوئے بولی، شاید وہ اس کا ارادہ بھانپ گئی تھی۔

تیمور نے نیچے جھک کر پہلے اپنے پاؤں اس سوراخ سے باہر نکالے اور پھر سرکتا ہوا تقریباً سارا ہی باہر نکل گیا۔ گل نے ایک نظر اپنے پیچھے اس جہنم کو دیکھا اور اسی سوراخ سے خود باہر نکل گئی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے اندر موجود تمام پتھر سوراخ کے پاس کئے اور باہر نکل کر جتنا ہو سکتا تھا ان پتھروں کو سوراخ کے اوپر فٹ کر دیا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ لوگ انہیں اتنی جلدی جان جائیں کہ وہ لوگ وہاں سے بھاگے ہیں۔ ہاتھ جھاڑ کر وہ پلٹی تو وہ سنجیدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ گل نے اسے نظر انداز کیا اور ارد گرد دیکھنے لگی۔ سامنے ہی پہاڑوں اور صنوبر کے درختوں سے گرا زیارت کا گھنا جنگل تھا۔ جس جگہ سے وہ نکل کر آئی تھی وہ بھی ایک پہاڑ تھا جسے درختوں اور جھاڑیوں نے گھیرا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہی بے یقین تھے کہ وہ وہاں سے بچ نکلے ہیں۔ گل نے ساکت کھڑے اس مجسمے کا ہاتھ پکڑا اور بنا سمت کی پرواہ کئے دوڑ لگا دی۔ ننگے پیروں کے ساتھ وہ دونوں کتنی دیر بغیر سانس لئے بھاگتے رہے۔ سنسان جنگل اور اندھیری رات کے سناٹے میں ان دونوں کے بھاگنے اور بھاری سانسوں کی آواز جنگل کے سناٹے کو چیر رہی تھی۔ وہ دونوں بغیر کسی سمت کے تعین کے بھاگ رہے تھے۔ کتنی دیر بھاگتے رہنے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے رکے جب دور سے آتی قدموں کی آہٹ اور ٹارچ کی لائٹ نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔۔ انہیں اتنا تو پتہ تھا کہ وہ لوگ جان جائیں گے مگر اتنی جلدی اس بات کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔ گل کے پاؤں کی انگلیاں جو پہلے ہی زخمی تھیں، جنگل میں بھاگنے سے مزید زخمی ہو گئی تھیں۔ مگر وہ پھر بھی پوری طاقت سے بھاگ رہی تھی۔ جبکہ تیمور کی

حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔اس کا سانس پھول رہا تھا۔زور زور سے سانس لینے پر اس کی پسلی کی ہڈیاں عجیب سے انداز میں ابھر رہی تھیں۔وہ تھک کر نیچے گر گیا۔

"م۔۔میں۔۔میں نہیں بھاگ سکتا۔"وہ پھولے سانس کے ساتھ اٹک اٹک کر بولا۔

"دیکھو تھوڑی دیر بس۔فلحال ہمیں بھاگنا ہے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے ہی آرہے ہیں۔"اپنے پیروں کا درد بھولے وہ ہانپتی ہوئی بولی۔جبکہ وہ اب نیچے لیٹ چکا تھا۔

"نہیں۔۔تم جاؤ اور یہاں کسی سے مدد مت مانگنا۔اس علاقے سے بھاگ جاؤ۔چھوڑ دو مجھے۔انہیں تسلی ہو جائے گی مجھے پکڑ کر۔"وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے جانے کا بول رہا تھا۔گل افروز نے لب دانتوں تلے دبا کر کچھ سوچا اور پھر اس کی طرف پلٹی۔

"ادھر دیکھو۔اوپر چڑھو اور اس تنے پر بیٹھ جاؤ۔"گل اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی اور ساتھ ہی ایک درخت پر اسے چڑھنے کو کہا۔جبکہ وہ ہنوز لیٹا اپنا سانس درست کر رہا تھا۔

"دیکھو وقت نہیں ہے۔جلدی کرو۔"اب کی بار گل نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑا اور اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔وہ پاؤں اٹھا کر اسے اوپر کر رہی تھی۔جبکہ پیروں کی انگلیاں اس کا بھوج اٹھانے سے انکاری تھیں۔۔اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔تیمور نے تنے کو مظبوطی سے پکڑ لیا اور سرکتا ہوا اوپر چڑھ کر لیٹ گیا۔گل نے اس کے اوپر جاتے ہی اپنی جھولی میں پتھر بھر لئے اور اس درخت پر چڑھنے لگی۔وہ ایک موٹے تنے والا درخت تھا۔ان لوگوں کی آواز اب قریب سے ہی آ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رہی تھی۔ گل سانس تک روک گئی۔ جیسے ہی اسے وہ لوگ نظر آئے اس نے بغیر آواز پیدا کئے پتھروں کو پوری قوت سے دوسری سمت پھینکنا شروع کر دیا۔ وہ سب کے سب اس طرف بھاگ گئے۔ ان کے نظروں سے دور جاتے ہی گل نے تھکن سے درخت کے تنے سے پشت ٹکا دی۔ لمبے لمبے سانس لیتی وہ اپنی سانس درست کر رہی تھی، تبھی اسے ساتھ والے وجود کا خیال آیا۔ وہ ہنوز بے سود لیٹا تھا۔ گل نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ ہلایا تو اسے پتہ چلا وہ بے ہوش تھا۔ اس کے ایک دم ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ چاند کی روشنی میں وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ گالوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں اور بڑھی ہوئی ملگجی سی داڑھی۔ گل نے اسے جھنجھوڑ ڈالا مگر وہ بے سود لیٹا رہا۔ تھک کر وہ اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکنے لگی۔ اس گھنے جنگل میں وہ شخص اسے اپنا سہارا لگا تھا بے شک وہ اس کی مدد نہیں کر رہا تھا مگر اس کی موجودگی ہی کافی تھی۔ گل نے ساری رات اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکتے آنکھوں میں گزاری تھی۔ سورج کی پہلی کرن پھوٹتے ہی اس نے درخت پر ذرا اوپر چڑھ کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اسے کوئی بھی مشکوک چیز نظر نہ آئی تو وہ اس وجود کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس نے تیمور کی پشت سے اپنے دونوں بازو اس کے سینے سے گزار کر اسے نیچے لٹکا دیا۔ اور آہستگی سے چھوڑ دیا۔ اس کے نیچے ہوتے ہی وہ بھی نیچے اتر آئی۔ وہ لب دبا کر سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرے، اسے چھوڑ جائے یا ساتھ لے جائے۔ اور اگر ساتھ لے کر جائے تو کیسے؟ کچھ سوچتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی اور اسے پھر سے اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور چلنے لگی۔ بے شک کمزور ہونے کے باعث اس کا وزن کم تھا مگر زخمی گل کے لئے یہ بھی برداشت سے باہر تھا۔ تازہ تازہ نکلتا سورج گل کے جسم کو توانائی بخش رہا

تھا۔اس نے آج بہت دنوں بعد سورج کی کرن دیکھی تھی۔دھیرے دھیرے سورج اپنے پورے جوبن پر آیا تو گل پسینے سے شرابور ہو گئی۔چلتے چلتے اسے ایک پانی کا جوہڑ نظر آیا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس تک گئی اور تیمور کو اتارتے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔کچھ ہی دیر میں اسے ہوش آگیا۔وہ کسمسا کر آنکھیں کھول گیا مگر سورج کی تیز روشنی سے واپس آنکھیں موند گیا۔اس نے آج چودہ سال بعد سورج کی کرن دیکھی تھی۔گل اب وہ گدلا پانی ہاتھوں میں بھر کر اس کو پلا رہی تھی۔یہ پانی بھی اسے اس وقت غنیمت ہی لگا تھا۔اسے پلانے کے بعد وہ خود پینے لگی اور اس جوہڑ کے کنارے لیٹ گئی۔مگر فلحال وہ آرام کرنے کے متمنی نہیں تھی۔اس نے پھر تیمور کا کندھا جھنجھوڑا جو ابھی تک غنودگی میں تھا۔

"کیا تم اب چل سکتے ہو؟" وہ اس پر جھکی پوچھ رہی تھی۔بدلے میں اس نے اپنے گلے میں بندھا ہوا دھاگہ اتار کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"تم جاؤ۔۔میں نہیں بھاگ سکتا۔۔اور اگر ہو سکے تو اس پتے پر یہ خبر پہنچا دینا کہ تیمور اب نہیں رہا، شاید میرے گھر والوں کو صبر آجائے۔" وہ اٹک اٹک کر کہتا پھر سے بے ہوش ہو گیا۔گل نے ہمت کرتے اسے پھر اٹھا لیا اور چلنا شروع کر دیا۔پیروں کا درد بڑھتا جا رہا تھا مگر وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھی۔کچھ دیر چلنے کے بعد اسے گاڑیوں کے ہارن سنائی دینے لگے۔اسے یقین ہو گیا کہ سڑک پاس ہی ہے۔۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ان آوازوں کی سمت چلنے لگی۔۔سورج نے بھی آج ان

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کے ساتھ ہی سفر کیا تھا جیسے وہ انہیں منزل پر پہنچانے کو ہی طلوع ہوا ہو اور اب جب گل کو منزل مل گئی تھی تو وہ غروب ہو رہا تھا۔ سڑک پر پہنچتے ہی وہ کسی گاڑی کی منتظر تھی۔ تیمور کو اس نے سڑک سے ذرا دور لٹا دیا تھا۔ دائیں ہاتھ کی مٹھی میں تیمور کی امانت اس نے سختی سے پکڑی ہوئی تھی۔ اس کی خود کی آنکھوں کے سامنے بھی بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ تیمور کی تنبیہ بھی کانوں میں سنائی دے رہی تھی کہ یہاں کسی سے مدد نہ مانگنا، مگر اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ تبھی اسے دور سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکا مگر وہ رکنے کی بجائے آگے چل دی۔۔ گل ہمت ہارتے وہیں بیٹھ گئی اس میں کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں تھی۔ تبھی وہ گاڑی ریورس ہو کر اس تک آئی، گل ہمت کرتی اٹھی۔ ڈرائیور نے شیشہ نیچے کیا تو وہ لپک کر اس تک پہنچی۔

"میری مدد کریں پلیز۔۔ مم۔۔" وہ بات پوری نہ کر سکی۔

"حیدر بیٹا باہر نکل کر دیکھو تو کون ہے" ایک نرم سی نسوانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"پلیز وہاں۔۔ وہاں بھی کوئی ہے۔۔ اسے مدد کی ضرورت ہے۔۔" وہ اٹکتے ہوئے تیمور کی سمت اشارہ کر کے بولی۔ حیدر علوی کے ساتھ اسما شہزاد بھی گاڑی سے نکل آئیں اور گل کا حلیہ دیکھ کر ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

"حیدر دیکھو کون ہے وہاں۔" وہ گل کو اپنے بازو کے حلقے میں لے کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھانے لگیں۔ حیدر نے وہاں ڈھانچے نما انسان کو دیکھ کر حیرت سے اسے اٹھایا۔ اسے لگ رہا تھا کہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس شخص نے کئی سالوں سے اپنے بال نہیں کٹوائے۔ کٹوانے تو دور اس نے شاید منہ بھی نہیں دھویا تھا۔ حیدر نے اسے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر گل کے ساتھ ہی لٹا دیا۔

"پلیز! اس پتے پر پہنچا دیں ہمیں۔" گل نے ہاتھ میں موجود وہ بوسیدہ سی پرچی اس عورت کی طرف بڑھا دی۔ حیدر اب گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ زیارت میں اسما بیگم کے کچھ رشتے دار رہتے تھے جن کے ہاں فوتگی ہو گئی تھی۔ حیدر اور اسما شہزاد آج وہیں آئے تھے جب واپسی پر انہیں وہ لڑکی ملی۔ اسما شہزاد نے ایک نظر اس مرد کو دیکھا جس کا سارا چہرہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور اس لڑکی کے ہاتھ سے وہ پرچی تھام لی۔ مگر وہاں درج نام اور پتہ دیکھ کر ان کی ایک چیخ بلند ہوئی۔

"حیدر۔۔ حیدر گاڑی روکو۔۔ میرا تیمور۔۔ حیدر میرا تیمور۔۔" حیدر علوی کے ہاتھ پر بازو مارتیں وہ چلائیں تو حیدر نے ایک دم گاڑی روک دی۔ اسما شہزاد بھاگ کر تیمور کی طرف آئیں اور دروازہ کھول کر اس سے لپٹ گئیں۔۔

"آنی! کیا ہوا ہے؟ کون ہے یہ؟" وہ بھی دروازہ کھول کر ان کی طرف آ گیا۔۔ اسما شہزاد نے وہ پرچی اس کی طرف بڑھا دی۔۔

"حیدر دیکھو۔۔ یہ میرا تیمور ہے۔۔ میرا بچہ۔۔ اللہ نے میرے صبر کا پھل دے دیا حیدر۔۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے اس کا چہرہ چوم رہی تھیں۔ حیدر علوی نے ایک نظر پرچی پر ڈالی اور جلدی سے گاڑی سٹارٹ کر لی۔ اسما بیگم ہنوز اس کا چہرہ چوم رہی تھیں۔۔ شارٹ کٹ استعمال کرتا وہ چند

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گھنٹوں میں لاہور پہنچ چکا تھا۔وہ سیدھا ہاسپٹل آیا تھا، جبکہ اپنے دوست ایس پی سمیر خان کو آنے سے پہلے مطلع کر چکا تھا۔لاہور پہنچ کر اس نے دعانور کو ہاسپٹل آنے کا کہا تھا۔

*****

وسیم خان کے پاس صبح فجر کے وقت آیا وہ فون انتہائی خوش گوار ثابت ہوا تھا۔انہیں ہاسپٹل پہنچنے کا کہا گیا تھا کیونکہ ان کی بیٹی گل افروز مل گئی تھی۔وہ عجلت میں نازیہ وسیم کو لیتے ہاسپٹل کے لئے نکلے تھے۔وہاں پہنچ کر جو انہیں پتہ چلا وہ ان کا کلیجہ چیرنے کو کافی تھا۔گل افروز کو ہوش آتے ہی سب سے پہلے پولیس نے اس کا بیان لیا تھا۔اس کے ایک ایک بات بتانے پر پولیس ڈیپارٹمنٹ اور آرمی عمل میں آچکی تھی۔ساری قانونی کارروائی ہو جانے کے بعد تقریباً صبح کے دس بجے انہوں نے گھر والوں کے ملنے کی اجازت دی تھی جبکہ تیمور شہزاد ہنوز بے ہوش تھا۔ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہے اسے کچھ ہی دیر میں ہوش آجائے گا۔

"میری بچی۔۔"وسیم خان نے اس کے زخمی پیروں کو چومتے ہوئے روتے ہوئے کہا تھا۔انہیں اپنی بیٹی پر فخر ہو رہا تھا۔

"بابا۔۔"وہ دھیمی سی آواز میں بولی تو وسیم خان نے اسے سینے سے لگا لیا۔اس کے سارے درد ایک دم تازہ ہو گئے۔ناخن کھینچنے کا درد۔۔چمڑے کے بیلٹ کی مار کا درد۔۔جبکہ نازیہ وسیم دور کھڑی رو رہی تھیں۔اس بات کو ابھی تک میڈیا میں نہیں آنے دیا گیا تھا۔اسی دن تیمور کو ہوش آچکا تھا اور

ڈاکٹرز کے کہنے پر اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔اس کی فیملی و سیم خان کا شکریہ ادا کرتی اسے لے کر چلی گئی تھی۔ جبکہ گل افروز ابھی ایڈمٹ تھی۔اس کے پیروں کی انگلیوں کا حال بہت برا تھا۔زخم کو صاف نہ کرنے اور اتنی دیر تک چلنے کی وجہ سے وہ مزید خراب ہو گیا تھا اور اس میں پس پڑ گئی تھی۔

اگلے ایک ہفتے تک وہ ہاسپٹل میں تھی اور اس ایک ہفتے میں پنجاب پولیس نے آرمی کے ساتھ مل کر دہشتگردوں کے اس گروہ کو پکڑ لیا تھا اور تمام لڑکیوں اور باقی لوگوں کو بازیاب کروا لیا تھا۔یہ خبر میڈیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ پولیس افسران کی موجودگی میں میڈیا والوں کے سوالات کے جواب دے کر آئی تھی۔سوشل میڈیا پر راتوں رات اس کی بہادری کے چرچے ہو رہے تھے۔وہ خوش تھی بے حد خوش۔اس نے ہمت کی اور اتنے لوگوں کی جان بچا لی۔واشروم کے شیشے میں وہ اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔وہاں گزرے وہ چودہ دن اسے ایک بھیانک خواب لگ رہے تھے۔اس نے باہر آنے کے لئے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا جب کمرے سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روکے۔

"بھئی کیا فائدہ ایسی شہرت کا جو عزت بیچ کر ہاتھ میں آئے۔"

"تو اور کیا۔۔چودہ دن وہاں دہشتگردوں کے پاس رہ کر آئی ہے، کیا ایسے ہی آنے دیا ہو گا انہوں نے۔کپڑے نہیں دیکھے تم نے اس کے؟" وہ ذومعنیت سے بولیں تو گل کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل لگا۔

"اللہ معاف کرے! میں نے تو اپنے بیٹے کے لئے سوچا تھا سے مگر اب اللہ اپنی امان میں رکھے ایسی لڑکی سے۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولیں۔ گل دروازہ کھولتی باہر آگئی۔ چہرہ الجھن زدہ تھا۔

تبھی وہ عورتیں ہاتھوں میں پکڑا بکے اس کی طرف بڑھا کر اس کی تعریف کرتیں وہاں سے چل دیں۔ وہ ان کی دور کی رشتے دار تھیں۔ اس کے کانوں میں ابھی تک ان کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ تبھی کمرے میں نازیہ وسیم اور صائمہ سلیم داخل ہوئیں۔ صائمہ سلیم نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی اور صوفے پر براجمان ہو گئیں۔

"میں تو اب بھی کہتی ہوں تم سے نازیہ، پوچھ لو اس سے کہ کیا ہوا تھا وہاں۔" صائمہ سلیم نے ذو معنی لہجے میں کہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" گل نے تیکھے چتونوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہونہہ! نخرہ دیکھو بی بی کا جیسے بڑی پارسا ہو۔۔ چودہ دن۔۔ بی بی چودہ دن تم نے ان دہشتگردوں کے ساتھ گزارے ہیں۔ ان میڈلوں سے تمہارے عزت واپس نہیں آجانی۔" وہ طنز سے گویا ہوئیں۔

"کیا بکواس کر رہی ہیں آپ؟ آپ ہوتی کون ہیں میرے کردار پر بات کرنے والی؟" وہ تڑپ کر بولی۔ جبکہ اس کی ماں چپ تھی۔

"اے لو! سن لو! کردار کی باتیں کون کر رہا ہے۔" وہ مصنوعی قہقہہ لگا کر ہنسیں۔ "بی بی کوئی عزت والا مرد اب تمہیں اپنانے کو تیار نہیں ہے۔" وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔

"امی! آپ خاموش کیوں ہیں؟" وہ ٹوٹے سے لہجے میں نازیہ وسیم کی طرف دیکھ کر بولی۔ یہ سب اس کی سمجھ اور برداشت سے باہر تھا۔ نازیہ وسیم نظریں چرانے لگیں۔ وہ ساکت نظروں سے کئی پل ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ تیمور کی بات کی سمجھ اسے آج آئی تھی۔

"میں بھی کس سے توقع کر رہی ہوں کہ وہ میرے حق میں بولے۔ آپ نے تو خود ساری عمر مجرموں کی طرح گزاری ہے۔ اپنی ماں کے جرم کی سزا کاٹتے گزاری ہے۔" وہ سر جھٹک کر چیخ کر بولی۔ ان سب کی چیخ و پکار سن کر کوریڈور میں موجود میڈیا والے اس کمرے میں آ گئے تھے۔ وہ تو ویسے بھی اس بہانے کی تلاش میں تھے۔

Clubb of Quality Content

"کتنی حیرت کی بات ہے امی کہ ایک زخمی عورت ایک مرد کو کندھوں پر اٹھا کر کئی سو کلو میٹر پیدل چل سکتی ہے اور وہی عورت ایک مرد کی عزت کی محتاج ہے۔ ایک عورت اتنے لوگوں کو اس جہنم سے آزاد کروا سکتی ہے مگر وہ ہنوز مرد کی عزت کی محتاج ہے۔" وہ بولی تو لہجے میں درد ہی درد تھا۔

"آپ کو پتہ ہے جب میں وہاں تھی تو میری زبان پر ایک ہی بات تھی کہ مجھے واپس جانا ہے، تب مجھے کسی نے کہا تھا کہ واپسی پر میرا منتظر کوئی نہیں ہو گا۔ مجھے اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی، لیکن آج سمجھ گئی ہوں۔ یہ ابنِ آدم اور بنتِ حوا کا فرق ہے۔" اس نے اپنے بہتے آنسو بے دردی

سے پونچھ ڈالے۔ ایک مرد چودہ سال بعد آیا تھا، اور وہ ویسا ہی تھا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ قیمتی ہو گیا تھا۔ ایک لڑکی چودہ دن وہاں رہ کر آئی تھی، اور وہ بے مول ہو گئی تھی۔ یہ ابنِ آدم اور بنتِ حوا کا فرق تھا۔

"یہ رہی میری میڈیکل رپورٹ جس کے مطابق مجھ پر صرف جسمانی تشدد ہوا ہے۔ میری عزت محفوظ ہے لیکن اب مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے اسے اپنے ماتھے پر سجا لینا چاہیے تاکہ جب بھی کسی کو بھی میری عزت کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت محسوس ہو میں اسے یہ دکھا سکوں۔" وہ سائیڈ ٹیبل پر پڑی فائل اٹھا کر بولی۔ میڈیا والے کھٹا کھٹ اس کی تصویریں بنا رہے تھے اور لائیو کوریج کر رہے تھے۔

"خدا کے لیے جینے دیں۔۔ بیٹیوں کو جینے دیں خدارا۔۔ ان پر ان کی سانسیں تنگ مت کریں۔۔ کون کہتا ہے کہ ہم بہت ترقی کر گئے ہیں۔۔ ہمارے ذہن ابھی بھی اسی زمانے میں ہیں جہاں بیٹیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ ایک عورت مرد کو اپنی کوکھ میں پالتی ہے، اسے اپنا خون، اپنی طاقت دیتی ہے، اسے جنم دیتی ہے، اسے اپنے ہاتھوں سے پال پوس کر بڑا کرتی ہے اور پھر عزت کے لئے اسی مرد کی محتاج ہو جاتی ہے۔" روتے روتے اس کا گلا رندھ گیا۔

"اور مزے کی بات پتہ کیا ہے؟ عورت کی عزت پر سوال کرنے والی بھی عورت ہی ہوتی ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے نا۔ شاید وہ عورت بھول جاتی ہے کہ میں بھی ایک عورت ہوں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نازیہ وسیم چہرہ جھکا گئی تھیں جبکہ صائمہ سلیم نظریں چرا رہی تھیں۔پورے پاکستان کی عوام اسے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔اور ان میں وہ بھی تھا ہلکے آسمانی کلر کی شلوار قمیض پہنے سلیقے سے تراشیدہ بالوں اور داڑھی میں وہ پہلے سے بہتر نظر آرہا تھا۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی انکے کوئی رشتے دار اس سے مل کر گئے تھے۔اس نے صحیح کہا تھا وہ واقعی اس دنیا کے لئے عجوبہ تھا۔ان کے طرح طرح کے سوالوں اور نظروں سے وہ زچ ہو رہا تھا۔اس کی چڑچڑاہٹ محسوس کرتے حیدر علوی اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔جبکہ ہادی کسی بھنورے کی طرح اپنے ماموں کے ارد گرد منڈلا رہا تھا۔

"بھائی کیا کھائیں گے آپ؟"دعا نور نے آتے ہی اس کے ماتھے کا بوسہ لیتے پوچھا۔ان دونوں ماں بیٹی کی خوشی دیدنی تھی۔

"کچھ بھی۔"اس کے بوسہ لینے پر وہ جھجک کر بولا۔چودہ سال گھر والوں سے دور رہنے کے بعد یہ سب قبول کرنا ذرا مشکل تھا۔

"اوکے میں ہادی کے لئے سینڈوچ بنا رہی تھی آپ کے لئے بھی بناتی ہوں۔۔آپ تب تک ٹی وی دیکھیں۔"وہ ریموٹ اٹھا کر ایل ای ڈی آن کرتی اسے ریموٹ تھما کر چلی گئی۔ہادی بھی ماں کے پیچھے ہی لپکا تھا۔تیمور نے اکتاہٹ سے سامنے سکرین کو دیکھا اور جیسے تھم گیا۔وہ وہی تھی۔۔چیخ رہی تھی۔۔رو رہی تھی۔۔اس کے لفظوں اور آنسوؤں نے جیسے تیمور کو ذہنی طور پر مزید

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھکا دیا۔اس نے سامنے پڑا ریموٹ اٹھا کر ایل ای ڈی بند کرنے کی کوشش کی، مگر اس جدید طرز کی ایل ای ڈی کے فنکشنز کو سمجھنے کے لیے تیمور کو ابھی کافی وقت کی ضرورت تھی۔۔

ہاں!"اس دنیا"میں جینے کے لئے اسے ابھی بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت تھی۔۔وہ تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

******

ختم شد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

السلام علیکم!

اس کہانی کا اختتام کرتے ہوئے بھی کنفیوز تھی۔ میں نے جب یہ کہانی اپنی بہن کو سنائی تو اس کا کہنا تھا کہ مجھے گل افروز اور تیمور شہزاد کو ایک ساتھ دکھانا چاہیے آخر میں۔ ایک مکمل "ہیپی انڈینگ"۔ جبکہ میرے اندر کی لڑکی بھی ایسا اختتام ہی چاہتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا اس کی دو وجوہات تھیں۔

1۔ میری امی مجھے بچپن میں ایک کہانی سنایا کرتی تھیں جس میں ایک شہزادی خود اپنے شہزادے کو ظالم چڑیلوں سے آزاد کرواتی ہے اور وہ کہانی میری پسندیدہ تھی۔ میں نہیں جانتی کہ کیوں مگر میں ہمیشہ ان سے یہی کہانی سنا کرتی تھی جبکہ عموماً ہم جو بھی فلم، ڈرامہ یا کہانی پڑھیں تو اس میں ہمیشہ یہ ہی ہوتا ہے کہ شہزادہ آیا اور اس نے شہزادی کو بچا لیا۔ ہم بچپن سے یہی کہانیاں سنتے آئے ہیں۔ اور یہ کانسیپٹ ہماری لڑکیوں کے ذہن میں ایسا بیٹھا ہے کہ وہ ہمیشہ کسی شہزادے کی منتظر ہوتی ہیں جو انہیں بچائے گا۔ میں اس کانسیپٹ کو ختم کرنا چاہتی تھی اور یہ میری ایک ادنیٰ سی کوشش تھی۔

"لڑکیو! کسی شہزادے کے انتظار میں مت رہو، خود جنگجو بنو اور اپنی جنگ خود لڑو۔"

2۔ دوسری وجہ میں نے اپنے ناول کی اختتامی لائین میں بتا دی ہے۔ اگر آپ کو وہ سمجھ آ گئی ہے تو مجھے ضرور بتایئے گا۔

~آپ کی رائے کی منتظر:

لائبہ سیّد

Instagram:

@novels_by_laiba

@laibasyedofficial

کچھ "ابنِ آدم اور بنتِ حوا" کے بارے میں

میں نے تیمور شہزاد کا حلیہ ایک بھارتی فلم کے ایک کردار سے انسپائر ہو کر لکھا تھا۔

دوسری بات، مجھے کئی نازک دل قارئین نے کہا تھا کہ آپ نے گل افروز کے ٹارچر والا سین کیسے سوچ لیا؟ اتنا تشدد کیسے لکھ لیا۔

وہ سین میں نے چار/پانچ سال کی عمر میں ایک ڈرامہ میں دیکھا تھا، اس زمانے میں PTV پر ایک ڈرامہ لگا کرتا تھا جس میں ایک پاکستانی فوجی دہشتگردوں یا شاید بھارتی فوج کے ہاتھ لگ گیا تھا اور انہوں نے اس پر ایسا تشدد کیا تھا، اس کے پاؤں کے ناخن پلاس سے کھینچ لیے تھے، وہ منظر آج بھی پوری جزیات کے ساتھ میرے زہن میں نقش ہے، لکھاری بنی تو سوچا کہ اس کو کسی طرح لوگوں تک پہنچاؤں۔ سو بس میں نے یہی کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP: